

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# شہزادہ تعمیر حیات

ISSN 2582-4619

۱۰ ابرار ۲۰۲۳ء مطابق ارشعبان المعنظم ۱۴۴۴ھ شمارہ نمبر ۹

## اس شمارے میں

۲	مولانا سید محمد شانی حسني ندوی	شعروادب مسلسل نور بر ساتا ہوا ماہ صیام آیا
۵	رمضان المبارک۔ رحمت خداوندی.....	اداریہ مشن الحسن ندوی
۷	حضرت مولانا سید ابو علی بن علی ندوی	چواغ راه علام کی سب سے بڑی ذمداداری
۱۱	حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی	اصلاح و دعوت ہوشیارے ملت بیضاۓ ما!
۱۵	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظیمی ندوی	فکر و نظر اصل نفع اور مطلوب و مقصود
۱۷	مولانا خالد سیف الدین رحمانی	راہ عمل خدمت علم و دین اور معاش کا مسئلہ
۲۱	مولانا جعفر مسعود حسني ندوی	اصلاح حال علم اور اخلاق
۲۲	مولانا بلال عبدالحکیم حسني ندوی	خیر امت امت کے تحفظ و بقا کاراز
۲۳	ڈاکٹر حسن عثمانی ندوی	ماہ مبارک استقبال ماہ رمضان
۲۵	محمد عیمر الصدیق دریابادی ندوی	پرانے چراغ مولانا عبداللہ عباس ندوی.....
۲۹	محمد اصطفاء الحسن ندوی	رسید کتب تعارف و تبرہ
۳۱	مفتی محمد نظرالعالم ندوی	فقہ و فتاوی سوال و جواب
۳۲	اہل خیر حضرات کی خدمت میں	ایل شعبہ تغیر و ترقی

سرپرست

## حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی

(نظمہ ندوہ اسلام لکھنؤ)

- مدیر مسئول ◦ نائب مدیر ◦
- محمد عیمر الصدیق دریابادی ندوی ◦ مشن الحسن ندوی ◦
- معاون مدیر ◦ محمد اصطفاء الحسن کاظمی ندوی ◦ محمد جاوید اخترندوی ◦ مجلس مشاورت ◦
- مولانا عبد العزیز بخششکی ندوی ◦ مولانا محمد ناصری پوری ندوی ◦

قارئین محترم! تعمیر حیات کا سالانہ زر تعاون ذیل میں دیے گئے کاؤنٹ میں جمع کرائیں!

### TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)  
IFSC Code : SBIN000125 -- Swift Code : SBINNB157  
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

بہار کرم قمی محجوب جو جانے کے بعد فقر کے فون نمبر ۰۱۷۱ پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیں۔

### تریلر زر اور خط و کتابت کا پتہ

### TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406  
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com  
مضبوط نگار کی راستے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زر تعاون - 400/- فی ٹھارڈ - 20/- الشیائی، یورپی، افریقی، امریکی ماں کے لئے - 75\$

ڈاٹ شہر تعمیر حیات کے نام سے ہائی اور میڈیم جات مددوہ الخاتمه لکھنؤ کے پورا وکریں۔ چک سے کم جانے والی رقم CBS Payable Multicity Cheques All وارثہ ماں میں، پورت مگر = 30/- جو کمک دیں۔ بہار کرم اس کا خالی رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اکتوبر کی تھیں کہیں کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے، لہذا جلدی زر تعاون ارسال کریں۔ اور میں آذربائیجان پاکستان خیبر پختونخوا کیسی ہو بائی انون نہ را درپیچ کے ساتھ پک کوئی کھیں۔ (تعمیر حیات)

پرنٹر پیلشر محمد طااطھر نے آزاد پرنگ پر لیں، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صفات و نشریات نیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

# مسلسل نور برساتا ہوا ماه صیام آیا

مولانا سید محمد ثانی حسینی ندوی

گنہگاروں کے حق میں بن کے رحمت کا پیام آیا  
ادھر سے اک ہوائے رحمت پروردگار آئی  
نگہ ڈالی جو ساقی نے تو پھر گردش میں جام آیا  
گیا جو تشنہ لب در پر تو وہ پھر شاد کام آیا  
لبون پر مرحبا اہلا و سہلا کا کلام آیا  
مبارک باد دینے اپنے گھروہ تیز گام آیا  
جہنم کے ہوئے در بند شیطان زیر دام آیا  
کہ جیسے چودھویں کی رات میں ماه تمام آیا  
اسی ماه مقدس میں خداوندی نظام آیا  
وہی ماه مبارک قابل صد احترام آیا  
مسلسل نور برساتا ہوا ماه صیام آیا  
کرے جتنا بھی ناز و فخر اس پر ملت بیضا اسی کے واسطے یہ تحفہ خیر الانام آیا

تحائف صحیحے حضرت محمدؐ کو سلاموں کے  
خوشاب پر حضور سرورِ عالمؐ کا نام آیا



## رمضان المبارک - رحمتِ خداوندی کا موسم بہار

### شمیں الحنف ندوی

جب رمضان المبارک کی پر بہار گھریاں شروع ہوتی ہیں تو موسم کی پرواہ کیے بغیر مومن و خوش نصیب بندے روزہ ضرور کھتے ہیں، کم ہی بد نصیب ایسے ہوتے ہیں جو روزہ نہ رکھیں، ماہ مبارک کا چاند نکلا نہیں کہ مسجد میں بھر جاتی ہیں، بہت سے لوگ اور نوجوان جو کبھی مسجد میں نہیں دکھائی دیتے تھے، وہ بہت ادب کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، اور روزہ و تراویح کا ایسا نورانی ماحول شروع ہو جاتا ہے جس کو ایک عام آدمی بھی محسوس کرتا ہے اور اس میں مزہ آتا ہے، ہر ایک دوسرے سے خوشی و بشاشت کے ساتھ ملتا ہے، سحر و افطار کا بڑا لکش منظر ہوتا ہے، کسی ایک شہر اور ملک کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا جہاں کہیں بھی مسلمان بنتے ہیں، یہی ماحول ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے چنانچہ قسم کی افطاری کی چیزوں کی تیاری اور خرید و فروخت کی چہل پہل کا بھی عجیب منظر ہوتا ہے، کھانے اور افطاری کے ایسے ایسے سامان تیار ہوتے ہیں جو رمضان ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اہل اللہ اور خاصان خدا کی توبات ہی کچھ اور ہوتی ہے، ان کو ان مبارک گھریوں میں جو لطف و مزہ آتا ہے، ہم عام لوگوں کو اس کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا، ذکر و تلاوت، نوافل کی کثرت، تہجد کا اہتمام ان کی غذا بن جاتا ہے، عام مسلمان بھی تلاوت کی کثرت اور چلتے پھرتے اللہ کے ذکر ہی میں مشغول رہتے ہیں، رحیم و رحمٰن آقا پنے مومن بندوں کی اس ادا سے بہت خوش ہوتا ہے، معدہ خالی ہونے کی وجہ سے روزہ دار کے منہ سے جو باؤتی ہے وہ اس کو مشک سے بھی زیادہ پسند اور اس کی رضا کا باعث ہے، اسی لیے فرمایا:

”روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ خود میں دوں گا۔“

روزہ وہ خوش حال اور مالدار لوگ بھی رکھیں گے، جن کو ہر وقت کھانے پینے کی لذت کا مزہ حاصل ہوتا ہے، وہ جانتے ہی نہیں کہ بھوک و فاقہ میں معدہ کا کیا حال ہوتا ہے، پیاس کی تیزی سے ہونٹ کیسے سوکھ جاتے ہیں، رمضان المبارک کے روزے ان میں یہ احساس پیدا کریں گے کہ فقراء و مسَاکین پر کیا گذر تی ہوگی، وہ اپنے بھوکے پیاسے، بچوں کا رونا کیسے سنتے اور برداشت کرتے ہوں گے، ہم کیوں نہ ان کی مدد کریں اور ان کے بھوکے پیٹوں کو بھرنے کی فلکر کریں، اور یہ سوچیں کہ ان غریبوں کا اور ہمارا مالک ایک ہی ہے اور اس نے ہم کو ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اور اپنے مومن بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ مال کی محبت کے باوجود وہ فقراء و مسَاکین پر خرچ کرتے ہیں، فرمایا: ”وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ، مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔“

یہی وجہ تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ مبارک میں عام دنوں سے کہیں زیادہ ان ضرورت مندوں پر خرچ فرماتے

تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے خطبہ میں فرمایا: ”جس شخص نے رمضان المبارک میں کسی روزہ دار کا پیٹ بھرا، اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے حوض سے اتنا پلاۓ گا کہ وہ جنت میں داخل ہونے کے وقت تک پیاسانہ ہو گا۔“

اس مبارک مہینہ کے پہلے عشرہ میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، دوسرے عشرہ میں گناہوں کی معافی ہوتی ہے، تیسرا عشرہ میں جنم سے آزادی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ”ظلوم و جہول“ بندوں کی معافی نوازش کے کیسے انتظامات فرمائے ہیں، اس نوازش ہی سے مست ہو کر اللہ کے کسی ولی نے کہا ہے:

سر اپا ما ہمہ عیم ، بدیدی و خریدی تو  
ز ہے کالائے پر عیم ، ز ہے لطفِ خریداری

(ہم سر سے پیر تک عیب ہی عیب ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں پھر بھی خریدار ہے ہیں، کیا خوب ہے ہماری یہ سیکاری اور کیا خوب ہے آپ کی خریداری)۔

اس لیے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس مبارک مہینہ میں نفل و مستحب کاموں کا اجر فرض کے برابر ہوتا ہے اور فرض کا ثواب سو فرض کے برابر ہوتا ہے۔“ آقا کی اس نوازش بے نہایت کے شکر کا یہ تقاضا ہے کہ ان مبارک دنوں میں غیبت جیسے عظیم گناہ سے بچیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے، وہ اس کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے جیسا گناہ فرماتا ہے، اپنے جن بندوں کو وہ گناہوں کے باوجود معاف کرتا ہے، ان کی غیبت کو کیسے پسند فرمائے گا، چنانچہ بڑے سختی سے منع فرمایا، اسی کا ارشاد ہے: ”وَلَا يَعْتَبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيْحَبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهُتُمُوهُ۔“

حدیث شریف میں غیبت کو روزہ پھاڑ دینے والی بات بتایا گیا ہے، حدیث پاک میں ایک روزہ دار خاتون کے گوشت و خون کے قے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ اس نے غیبت کی تھی، اس لیے اس کو خون کی قے ہوتی۔ بہت سے لوگ روزہ کاٹنے کے لیے بے ضرورت باتوں میں لگ جاتے ہیں، اس لیے اس سے بہت بچنا چاہیے کہ اتنی تکلیف کے ساتھ روزہ کے بعد بھی اس کے ثواب سے ہاتھ دھونیجیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اس ماہ مبارک کے پورے آداب کے ساتھ روزہ رکھنے کی توفیق دے اور اس کو قبول فرمائے اور ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہوں جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھوں سے نوازے گا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ان مبارک گھڑیوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے کر دل کا میل دھل جائے، زنگ دور ہو جائے، خدا نخواستہ اس کی ناقدری سے ہم ایک مصلح وقت کے اسی مناسبت سے پڑھے ہوئے اس شعر کا مصدق نہ بن جائیں:

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا  
زمزم بھی پیا پر نہ بمحض آگ جگر کی  
☆☆☆☆☆

## چراغ راہ

## موجودہ دور کے بے چین ذہنوں کو مطمئن کرنا

## علماء کی سب سے بڑی فرمہ داری

## حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

آیات میں تو حیدر خالص، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر معمولی تعلق، محبت، عشق، فنا یت، فریشگی و دواری اور جاں سپاری کا ذکر ہے، جس کا ایک ثبوت حضرت ابراہیم کے عنیز فرزند حضرت اسماعیل کے گلے پر چھری پھیرنے سے ملتا ہے، اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی: "يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَّلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ" [سورۃ الصافات: ۱۰۲-۱۰۵]

یہ خصوصیات دین ابراہیمی اور شریعت ابراہیمی کی ہیں، یہ مزاج ابراہیمی اور دعوت ابراہیمی کی خصوصیات ہیں۔

**حضرت داؤد و حضرت سلیمان کا دود اور اس کی خصوصیت**  
اس کے بعد حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا زمانہ آتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ سلطنتوں کی تنظیم اور صنعت انسانی کی ترقی کا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف میں خاص طور سے ملک سلیمان کا ذکر کیا ہے: "رَبِّ اغْفِرْلِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخَدٍ مِّنْ بَعْدِي" [سورۃ ص: ۳۵]

اور "فَسَخَرَ نَالَهُ الرِّيحُ تَحْرِي بِأَمْرِهِ رُحْنَاءَ حَيْثُ أَصَابَ" [سورۃ ص: ۳۶].

اس کے بعد جنوں کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں ان کے لیے لو ہے کو زرم کرنے کے سلسلے میں "وَالنَّالُهُ الْحَدِيدُ" [سورۃ سبا: ۱۰] کا تذکرہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو صنعتوں کی وسعت دپھیلا دا اور ترقی کا دور ہے، اس کی تنظیم کا دور ہے، اس کے بعد ہمارے سامنے یونان کا دور آتا ہے، جو فلسفہ بال بعد الطبیعت، ریاضیات اور طب کی ترقی کا دور کہلاتا ہے۔

مبعوث ہوئے، اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس وقت کی پوری انسانیت تو حیدر کے مفہوم سے نا آشنا ہو گئی تھی، اور پست ترین بت پرستی میں بنتا تھی، شرف انسانی اور مساوات انسانی کا تخلیل لوگوں کے ذہن سے بالکل فراموش ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت و عشق کا عملی تعلق ختم ہو گیا تھا، اور فنا یت و دواری اور اس کو ہر چیز پر ترجیح دینے کا تعلق بھی باقی نہیں رہا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت سے جو دور شروع ہوا وہ تقریباً اس وقت تک ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حدّ فاصل ہے پچھلے اور بعد کے دور میں، اور جیسا کہ میں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ دنیا میں دو جمتوات سلسلے ہیں اگر اس کے لیے عنوان تلاش کریں تو دو عنوان ملتے ہیں: ایک ابراہیمیت کا، دوسرا برمیت۔ میں نے برمیت میں "نون" کو قصد ا شامل نہیں کیا، کہ لوگوں کو غلط فہمی ہو گی، اور میرا مفہوم ادا ہو جائے گا، اور اس کا تعلق کسی خاص ملک و نسل اور خاص طبقہ سے سمجھا جائے گا، یہ دو متواتر سلسلے "abrahamiyat" اور "urmiyat" ہزاروں برس سے چل رہے ہیں، ایک تو حیدر خالص ہے، جس میں انسانی شرف کا اعادہ اور تجدید ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور فنا یت کا تعلق ہے، اسی بنابر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں تو حیدر کا بار بار تذکرہ ہے، پورے پورے رکوع خصوصاً سورہ ابراہیم کے آخری رکوع کی حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں ہمارے پاس اس وقت جو محفوظ اور قابل اعتماد تاریخی ذخیرہ اور ریکارڈ ہے، اور قرآن مجید سے ہمیں جو رہنمائی اور اشارے ملتے ہیں، اس سے ہمارے اس دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے، اور اس کے چند نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

**حضرت ابراہیم کا عہد اور دعوت توحید**

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں

کہ ”اپنے آپ کو پہچانو“ اس لیے کہ اس وقت الہی معرفت ناپید ہو چکی تھی، کوئی کہتا ”اعبُدِ ربِک“ اپنے رب کی عبادت کرو، کیوں کہ صحیح عبادت نہیں ہو رہی تھی، کوئی کچھ اور کہتا، شاید کوئی بھی یہ نہ کہتا کہ ”إِفْرَا“ کے لفظ سے وہی شروع ہو گی، اس لیے کہ جس پر وہی نازل ہو رہی تھی وہ امی تھا، جس امت میں وہ مجموعہ ہوئے تھے وہ امی تھی: ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِ رَسُولًا مِّنْهُمْ“ [سورۃ الجمّعۃ: ۲۰]، جس کو یہودی امی کہتے تھے، اور جس ملک میں اس کو مجموعہ ہوتا تھا وہ امی تھا، جس شہر میں وہی نازل ہو رہی تھی، ڈھونڈنے سے شاید سارے مکہ میں دو چار قلم مل سکتے ہوں، پڑھ لکھ انسانوں کے لیے دنیا میں بہت سے لفظ ہیں، عرب کا تب کا لفظ بولا کرتے تھے، گویا سب سے بڑا انتیاز جو اس ملک کا سمجھا جاتا تھا وہ قلم سے کام لینا تھا، وہاں تحریر سب سے زیادہ مشکل چیز بھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اندر علم کو قبول کرنے اور اس کے تقاضوں کے پورا کرنے کی جو غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے، اور اس امت اور علم کے درمیان جو رشتہ اس نے رکھا ہے، اسے ہم مقناتیں سے تعبیر کر سکتے ہیں، اسی لیے ہر دور میں اس امت کا علم سے رشتہ باقی رہا ہے، اور اسی لیے ہر دور میں نئے نئے شہسواروں، نئے نئے ماہرین فن اور جنیں انسانوں کو یہ امت پیدا کرتی رہی ہے، اور اس میدان میں کامیابی حاصل کرنے کا موقع دیتی رہی ہے، اگر کوئی ایسا انقلاب نہیں آتا جس میں صلاحیتیں بالکل مسخ ہو جائیں اور انسانی ذہن معطل ہو کر رہ جائے اور کام کرنا چھوڑ دے، جب تک علم کا سفر جاری رہے گا، مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، خواہ ان کا تعلق تدنی، علمی، معاشرتی، اور سائنسی اور اقتصادی امور سے ہی ہو، مذہب کی روشنی میں ان مسائل کو برابر حل کیا جاتا رہے گا، مثال میں ہم صحابہ

آنے والا تھا اور نہ کوئی امت پیدا ہونے والی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی کتاب آپ کو عطا فرمائی، جو ایک طرف تو ادب و بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے جس کا جواب کوئی انسان نہیں لاسکتا، حالانکہ عرب ادب و شاعری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، دوسری طرف قرآن مجید کے اندر علم کی وسعت کے لیے ایسے امکانات رکھے گئے ہیں اور ایسے اشارے کیے گئے ہیں کہ جب بھی بھی علم انسانی کی تحقیقات، خواہ کسی میدان کے ہوں، اپنی انہنا کو پہنچیں تو قرآن مجید نہ صرف اس کے امکانات کو ثابت کرتا ہے بلکہ گواہ اداں کے حقوق کو بتاتا ہے، چنانچہ ”عَلَمُ الْأَنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمُ“ اور ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ کے ذریعہ علم کی جو عظمت وسعت اور اس کے لامحدود ہونے کو بیان کیا گیا ہے، وہ صرف قرآن مجید میں ملتا ہے۔

**حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) کی مسیحائی**  
حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور اور ان کی پیدائش عین یونانی علوم کے ارتقاء کے دور میں ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہم خاص طور سے دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں، مرتضیوں کو شفاذیت ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی اور ان کے لیے مائدے کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے، مجذات کا کثرت سے ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوتا ہے، غرض کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں جو ماحول تھا، ان میں اور حضرت عیسیٰ کے مجذات میں بڑی مناسبت پائی جاتی تھی۔

**خاتم الانبیاء، کا دور اور اس کی خصوصیات**

لیکن حکمت الہی نے خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جس دور کا انتخاب کیا ہے، وہ دور ہے انسانی ترقی کی وسعت و تنوع کا، زندگی کی وسعت، لاطافت، تنوع، پچیدگی، انسانی ضروریات کا اور علوم و فنون سے انسانوں کے خاص شغف کا دور ہے، چونکہ آخر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء ہیں اور قیامت تک آپ کی تعلیمات کو باقی رہنا تھا، اس لیے انسانی زندگی اور انسانی نسل کو اپنے اندر تمام و دلیعت شدہ صلاحیتوں، توانائیوں اور کامیابیوں کا گویا ترکش خالی کر دینا تھا، اور اس کے لیے اپنے پورے جو ہر دکھانے تھے، اب اس کے بعد سوائے قیامت کے کوئی دور آنے والا نہیں تھا، اس لیے انسان کو اپنی ذہانت، اپنے امکانات، اپنے یافت و دریافت کے امکانات اور وسعتوں کا پورا اظہار کر دینا تھا، اس لیے کہ اس کے بعد نہ کوئی نبی

جماعت کے کارناموں پر فخر کرنے کی کمزوری پیدا ہو جائے تو پھر قوائے فکر یہ میں قتل ہو جاتا ہے، اور اصحاب احتلال پیدا ہونے لگتا ہے، ایک عرب شاعر نے بڑے طیف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:

الْهَمَى بَنِي تَغْلِبَ عَنْ كُلِّ مَكْرُمَةٍ  
قَصِيْنَةً قَالَهَا عَمَرُو بْنُ كُلُّشُومْ

بنو غلب کو ہر قسم کے مردانہ کارناموں اور کسی بڑی فتح کے حاصل کرنے اور کسی بڑے اقدام سے صرف ایک بات نے روک رکھا ہے، وہ یہ کہ یوگ صرف عمر و بن کلثوم کا قصیدہ پڑھتے اور سر دھنے رہتے ہیں، یہ مرض جماعتوں میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اداروں میں بھی، کہ وہ جماعتوں ان کے لیے سرمایہ فخر، بانی جماعت یا اس جماعت کے کسی نامور فرد کی تصنیفات، تحقیقات اور اس کی ہنی بلندی ان کے لیے سرمایہ فخر بن جاتی ہے، لیکن اس سے کام نہیں چلتا، جماعت ہو، کوئی ادارہ ہو یا مدرسہ، بلکہ میں اس سے باہر نکل کر کہتا ہوں کہ امت اسلامیہ کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے اپنے دور میں غلامی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کو پیدا کیا، اور ہم نے فلاں فلاں شہر بسائے، سمرقند و بخارا اور غزنیاط، اشبيلیہ اور ولی ہم نے بسائے، بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں، اور اپنے اپنے دور کی ہنی و اعتمادی بے چینیوں کا جائزہ لیتے رہیں، ان کے اسباب و حرکات ٹلاش کریں، دین، حقائق اور اصول و تعلیمات اور زندگی کے واقعات اور زندگی کے عملی مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر دور میں اسلامی قانون کی برتری کو ثابت کریں۔

### علوم میں ماہرا فہ دسترس حاصل کی جائے

علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ

اگر یہی تہذیب اور جدید سائنس کے بارے میں تھی اور کس طرح لوگ یورپ کی سائنس اور ٹیکنالوجی پر ایمان لاتے تھے، اور اس سے ایسے مبہوت ہوتے تھے کہ اگرچہ دین کا صاف انکار نہیں کرتے تھے، لیکن کشمکش میں ضرورت بتلا ہو گئے تھے، اس زمانہ کے راستِ العقیدہ خاندانوں کے مشائخ اور صالحین کا حال یہ تھا کہ اگر ان کے والدین کی سرپرستی اور بزرگوں کی محبت ان کو نہیں ملی ہوتی، اور ان کے آغوش میں انہوں نے تربیت نہ حاصل کی ہوتی تو ہنی و اعتمادی ارتدا دعام ہوتا اور پورا ہندوستان اس کا شکار ہوتا۔

**مذاہب قاریخ سے نہیں کرداد سے سفر جادی دکھتے ہیں**  
ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مہم کو جاری رکھیں، ہم یہ بات اپنے عزیز طلبہ سے کہنا چاہتے ہیں، کسی جماعت میں کسی بڑے عالم و مصنف کا اور مفکر کا پیدا ہو جانا کافی نہیں ہوتا، ادارے یہاں تک کہ ادیان و مذاہب بھی تاریخ سے نہیں چلتے، بلکہ وہ تحریک اور تسلسل سے چلتے ہیں، وہ اپنی افادیت اور صلاحیت ثابت کرنے سے چلتے ہیں، کوئی دینی تحریک کوئی بڑا مفکر پیدا کر دے، بلند قامت اور دیوپیکر مصنف پیدا کر دے، تہایہ کافی نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب کبھی اپنی کرام، ائمہ اربعہ اور امامت کے دیگر مجتہدین کو پیش کر سکتے ہیں، اور یہ مغض اتفاقی بات نہیں کہی جاسکتی، صحابہ کرام میں ایسے ذہین اور چینیں انسان تھے کہ انہوں نے روم و ایران چیزی ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا مقابلہ کرنے میں ایسی صلاحیت کا ثبوت دیا جس کی نظری کوئی دوسرا نہ ہے پیش نہیں کر سکتا، اسی طرح ائمہ اربعہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے چینیں قانون ساز تھے کہ انہوں نے زندگی اور دین کے رہنماء اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں ایسی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت دیا کہ اس پورے عہد میں یہ صلاحیت نہ رو میوں میں تھی، نہ ایرانیوں میں، اور نہ یونانیوں میں تھی، نہ کسی اور قوم میں، یہ لوگ اپنے زمانے کے چینیں ترین انسان تھے، اور ان کے کارنامے صدیوں پر محیط ہیں، ان کے کارناموں کی صحیح عظمت و اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ آج آسانی سے نہیں لگایا جاسکتا ہے، کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ جب یونانی علوم عربی میں منتقل ہوئے تو علمی حقوقوں پر کتنا غیر معمولی سحر تھا، اور کس طرح لوگ ان کے سامنے مبہوت اور ششدہ رہتے، اور کس طرح فیشن کے طور پر لوگ باتیں کرنا اور ان کی نقل کرنا فخر و اعزاز سمجھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے امام ابو الحسن اشعری، سیدنا عبدالقادر جیلاني، امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیاء، خواجہ بہاؤ الدین، امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور دیگر چینیں شخصیتوں کو اپنے اپنے وقت پر پیدا کیا، جنہوں نے زمانہ کا راست پھیر دیا، خطرات کا انہوں نے پوری جرأت سے مقابلہ کیا، نوجوان نسلوں کے دل و دماغ کو شکوک و شبہات سے پاک کر کے ایمان و یقین کی بنیادیں از سرفراہم کیں، بالکل یہی مروعیت ۷۸۵ء کے بعد

گیا، یہی خطرہ مسلم ممالک کے لیے موجود ہے۔ ہمارے عزیز طلبہ کا اولین اور بنیادی فرض ہے کہ آپ اس کام کے لیے اپنے کو تیار کریں، اور ڈھنی و فکری اور علمی قیادت کے خلا کو پیدا نہ ہونے دیں، اور نہ معلوم یہ مرحلہ کب آجائے، یہ مرحلہ اگرچہ ہر وقت موجود ہے، یہ بات جب ہوگی جب آپ پوری محنت کریں، ہمارا ستہ سے علوم حاصل کریں، پورے شوق و احترام سے یہ علوم حاصل کریں، پھر ایک ایک موضوع کا اختیاب کریں، پہلے اجمانی طور پر پھر تفصیلی طور پر مطالعہ کریں، علامہ شبی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی مندرجہ دن تک خالی نہ رہنا چاہیے، اس کو آپ کو پڑ کرنا ہے، بغیر کسی تخصیص کے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلا فرض ہے کہ سب سے پہلے جدید علم کلام، تمدنی مسائل اور نظام تعلیم کی اصلاح و ترقی اور علماء کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کو لیں، سب سے پہلے اس کا خیال ندوہ العلماء کے بانیوں کے ذہن میں آیا تھا، اس لیے آپ کو حق حاصل ہے، فرض ہے کہ زمانہ کے حالات سے واقفیت پیدا کریں، علوم اسلامیہ پر آپ کی نظر گھری ہو، مگر ان کو پیش کرنے کے لیے علامہ شبی کی زبان اور طرز تحریر، سید سلیمان ندوی کی وسعت معلومات اور سنجیدگی، مولانا عبدالسلام اور دوسرے فرزندان ندوہ کی ادبیت، اس کے ساتھ مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا ظم ندوی کی عربیت اور عربی زبان پر قدرت کہ مشرق و مغرب میں عربی زبان ہی سے ہمارے طلبہ کا واسطہ پڑے گا، آپ اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کریں، اور علمی و فکری اور دعویٰ تسلسل کو باقی رکھنے کی کوشش کریں۔

☆☆☆☆☆

ادارے کے زوال اور اصحاب ممالک کی دلیل ہے، اور یہ پوری امت کے لیے خطرہ ہے، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کسی دائرے میں اس معیار کے لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں جو مطلوب ہیں، بعض پڑوںی اسلامی مکلوں میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں بھی یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ وہاں بھی اب ایسی علمی و فکری قیادت موجود نہیں جو اس نوجوان نسل کی تشفی کا سامان فراہم کر سکے جو براہ راست یورپ سے پڑھ کر آرہی ہے، کوئی ایسا رسالہ نہیں جس میں جدید تمدنی مسائل کا دین کی روشنی میں حل پیش کیا جاتا ہو، زبان و علم اور تحقیق کا معیار گریا ہے، ہر رسالہ اپنی جماعت، اپنے مسلک اور مخصوص سلسلہ کے بارے میں مضامین شائع کرتا ہے، اگر کوئی تنظیم یا جماعت ہے تو وہ موجودہ حکومت سے بے اطمینانی ظاہر کرنے اور محمد و جماعتی و گروہی اور سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر رہی ہے، یہ صورت حال بڑی خطرناک ہے کہ علماء جن کا کام ہی یہ تھا کہ نوجوان نسلوں کا اعتناد اسلام پر بحال کریں، اسلام کی حقانیت اور اس کی ابدیت و صلاحیت کو ثابت کریں، اور زندگی کے تمام مسائل میں اس کی افادیت کو ثابت کریں، وہ ذاتی و سیاسی مفاد میں الجھ جائیں، اگر اس امت میں بڑے بڑے صالحین اور اتقیاء اور دین پر جان دینے والے موجود ہوں، جب بھی یہ ضرورت باقی رہے گی۔

ترکی کے الیہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ علماء نے اس دور کے تقاضوں اور نئی نسل کی بے چینی کو رفع کرنے اور اسلام کو سیاسی، مذہبی، فکری، اجتماعی، مسئلہ انتظامی اور قائدانہ حیثیت سے اس کی برتری ثابت کرنے کی صلاحیت کا ثبوت نہیں دیا، جس کی وجہ سے ترکی لادینیت کی راہ پر لگ اس دور کا سب سے بڑا مجدد ہے کہ جو اسلامی قوانین کی برتری دوسرے قوانین کے مقابلہ میں ثابت کرے، علامہ اقبال نے جوابات آج سے ساٹھ برس پہلے کہی تھی، وہ آج کے زمانہ میں ایک عملی حقیقت بن گئی ہے، آج ہمارے سامنے جو سب سے بڑا چیخ ہے اور ہم لوگ اس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خصوصاً عائلی قوانین کی معموقیت، افراد اور خاندانوں کے حقوق کی ضمانت کے لیے اس کا سب سے بہتر ہونا ثابت کریں۔

ہم اپنے عزیز طلبہ سے یہ کہیں گے کہ وہ مطالعہ و محنت سے علوم پر ماہر اور دسٹرس حاصل کریں، پھر جدید مسائل سے واقف ہوں، اور ان کا دین کی روشنی میں حل پیش کریں، دینی علوم میں اتفاق و گہرائی اور جدید علوم سے واقفیت اور اس کے بارے میں لپک اور نرمی کا موقف ان دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔

### ندوة العلماء کا امتیاز اور پیغام

ندوة العلماء کو فخر ہے کہ اس کا انتساب مولانا سید محمد علی موکبیری جیسے بالغ نظر اور ورش ضمیر اور سیرۃ النبی کے مصنف علامہ شبی جیسے مشتمل وقت، مؤرخ زمانہ اور سیرت نگاری گانہ اور ادیب سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج تک علمی و دینی مسائل پر قلم اٹھانے اور ان کو سنجیدہ و موثر طریقہ سے پیش کرنے کے لیے کم سے کم میرے علم میں علامہ شبی کے اسلوب سے بہتر کوئی اور اسلوب نہیں، ان ہی کے نقش قدم پر سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی اور دوسرے تربیت یافتہ حضرات ہوئے، جنہوں نے اپنے وقت پر اس سلسلہ کو جاری رکھا، لیکن یہ تھا کافی نہیں، اور آپ جب الاصلاح کا جلسہ کریں تو مجبور ہوں کہ ان ہی حضرات کا نام لیں، اور اس فہرست میں اضافہ نہ ہو، یہ اس

## ہوشیار اے ملّتِ بیضاۓ ما!

حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحیح مزاج و طبیعت کو جو خدا کی دی ہوئی طبیعت ہے، باقی رکھنے یا اس کے تبدیل کر دینے کی پہلی ذمہ داری مان باب پر آتی ہے، کیونکہ بچہ کا پہلا نشوونما مان باب کی ہی سر کردگی اور فکر مندی میں ہوتا ہے، بیباں سے بچہ کا اٹھان ہوتا ہے، اور اس میں عقائد اور اعمال و اخلاق کی بنیاد بنتی ہے، اور یہ کسی بھی انسان کی زندگی کا اہم ترین مرحلہ ہوتا ہے، اور یہی انسان کے عقائد و اعمال اور اخلاق کے ڈھانچہ کا بنیادی پتھر بنتا ہے، اور اسی پر اس کے آگے کی عمارت قائم ہوتی ہے، لیکن اس کی زندگی کے اس بنیادی پتھر پر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ آگے کا مرحلہ جو اس کے عقائد و اخلاق و کردار کے پختہ ہونے اور مضبوط بننے کا ہے، جو اس کے بعد کا مرحلہ ہوتا ہے، وہ تعلیمی مرحلہ ہے، جو ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مرحلوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور انسان کو اپنی زندگی کو کارامہ اور فعال بنانے کے لیے ان مرحلوں کو مناسب ڈھنگ سے انجام دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ علم کا حصول انسان کی اہم ضرورت ہے، جس کے لیے اسکوں وکالج قائم کیے جاتے ہیں، ان کے نظام و نصاب میں انسان کی ضرورت اور انسان کے اخلاق و کردار کی خوبی کا لاملا کرنا ہوتا ہے، اور سب کو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تعلیم کے صحیح نظام سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس میں ابتدائی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے، یہ بچہ کی پہلی اور بڑی اہمیت رکھنے والی تعلیم ہوتی ہے۔ مان باب کے گھر یا ماحول سے جب بچہ آگے بڑھتا ہے اور اس کی تعلیم کا ابتدائی مرحلہ شروع ہوتا ہے تو یہ مرحلہ بچہ کا اپنے بچپنے میں مان

فطرت پر جو خدا کے پسندیدہ دین یعنی اسلام کی فطرت ہے باقی رکھ سکتے ہیں، اور اس کو اسی مزاج و طبیعت کے مطابق بناسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بنیادی طور پر رکھا ہے۔ اور اگر وہ اس کی فکر نہ کریں گے، اور غیر اسلامی مزاج و طبیعت کو اس پر اثر انداز ہونے دیں گے تو اس کی طبیعت و کردار ایسا نہ بن سکے گا جیسا اس کے خالق اور پروردگار اللہ تعالیٰ نے اس میں بنیادی طور پر رکھا ہے، اور اس کے لیے اس کو پسند فرمایا ہے، اور وہی اسلامی مزاج و طبیعت ہے۔ اگر مسلمان مان باب اپنی نومولود اولاد کے فطری مزاج و طبیعت کے مطابق اس کے اخلاق و کردار کی فکر نہیں کرتے تو پھر وہ نومولود اولاد اپنے ماحول اور ارد گرد کے اثرات سے متاثر ہو کر بچھو اور بننے لگی، وہ جیسا ماحول ہو گا ویسی بن جائے گی۔ بہر حال بچہ کے پیدائشی مزاج و طبیعت کو اس کے اچھے اور خدا کے عطا کردہ حال پر بھی قائم ہو رکھا جاسکتا ہے اور اس کو بدلا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمان مان باب پر اس کو قائم رکھنے اور اس کو بدلتے اور خراب ہونے سے بچانے کی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لہذا ہم کو اپنی اس ذمہ داری کو سمجھنے اور پوری کرنے کی طرف توجہ کرنا ہے، اب ہم اس کا جائزہ لیں کہ ہم اپنے بچوں میں خدا کی عطا کی ہوئی طبیعت و مزاج کو صحیح رکھنے کی کہاں تک فکر کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے، یہ ایسی دولت ہے جس کا فائدہ دنیا کی زندگی اور دنیا کے بعد کی زندگی دونوں میں ہم کو حاصل ہوتا ہے، لیکن جس طرح زندگی کی دوسری دولتوں کو چرایا اور چھینا جاسکتا ہے، اور اس بات سے ہم کو اپنی ان دولتوں کے لیے خطرہ محسوس ہوتا رہتا ہے، اسی طرح ہماری اس دینی دولت کو بھی جس کو ہم اسلام کہتے ہیں خطرہ محسوس کیا جانا چاہیے، کیونکہ اس کو بھی ہم سے چرایا اور چھینا جاسکتا ہے، لہذا جس طرح ہم اپنی دوسری دولتوں کی حفاظت کی فکر اور انتظام کرتے ہیں اسی طرح ہم کو اس دولت کی حفاظت کی بھی فکر اور اہتمام کی ضرورت ہے۔

اسلام کا بنیادی مزاج و طبیعت انسانی زندگی کا وہ مزاج اور طبیعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدائشی طور پر رکھا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ: ”ہر لڑکا جب بیدا ہوتا ہے تو وہ بنیادی طور پر اللہ کی دی ہوئی صحیح فطرت یعنی بنیادی مزاج و طبیعت پر بیدا ہوتا ہے، پھر اس میں فرق و تبدلی اس کے مان باب اس طرح کرتے ہیں کہ اگر یہودی ہیں تو یہودی بنا لیتے ہیں، عیسائی ہیں تو عیسائی بنا لیتے ہیں، مجوہ ہیں تو مجوہ بنا لیتے ہیں۔“ حدیث کے الفاظ ہیں: ”کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یہو دانه و ینصرانہ و یمسجسانہ۔“ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مان باب اگر مسلمان ہیں تو وہ اپنی اولاد کو صحیح

وائلے صحیح فکرمندی اور اہتمام کے ساتھ انجام نہیں دیتے تو بچے کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی عمارت سیدھی اور صحیح کھڑی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس میں ایسا بکاڑ پیدا ہو سکتا ہے کہ جس کے نتائج مستقبل میں بڑے بُلگین ہو سکتے ہیں، اور معاملہ صرف دنیا کی حد تک ہی محدود نہیں رہ جاتا بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں افسوس ناک صورت حال پیش آسکتی ہے۔ ہم کو اس حقیقت کو ضرور اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہم ہندوستان میں ایک مغلوط ماحول میں رہتے ہیں، جہاں ہر طرح کے عقائد و اعمال و اخلاق کے لوگ زندگی گزار رہے ہیں، اور سماجی زندگی، اور اخلاقی اور دینی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں، طرح طرح کے مذہبی عقائد اور طریقہ ہائے زندگی ہیں، اور ہر ایک کے اسکول و کالج میں، ہر ایک کی تعلیم کا پیش ہیں، اور ہم کو آپس میں مل جل کر رہنے کی بنا پر ان مختلف اسکولوں اور کالجوں سے اور درسگاہوں سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، ہمارے بچے ان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، لہذا اپنے مذہب اور خدا رسول کے حکموں کی تابعداری میں ہمیں اس بات کی فکر کرنا ضروری ہے کہ ہمارے بچے وہ باتیں ضرور سیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صحیح فطرت کے مطابق اور اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں ہوں، اور کم از کم یہ بات تو ضروری ہے ہی کہ بچے نے اپنے مسلمان ماں باپ اور بزرگوں کی فکرمندی و سرکردگی سے اپنے گھر میں جو چیزیں سیکھی ہیں وہ بدلتے جائیں، کیونکہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے بعد اسکولوں کی جو تعلیم سامنے آئی اس میں ایسے عقائد و رجحانات بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے بہت خلاف ہیں۔ اسی بات کو دیکھ کر

دار تھے، جدید تعلیم یافتہ تھے، لیکن دین کی اہمیت سمجھتے تھے، اور تعلیم کا جواہر آدمی کے رجحانات پر پڑتا ہے، اس کو جانتے تھے۔ انہوں نے اس کی اہمیت بتاتے ہوئے اپنے طرز آمیز بچہ میں یہ بات ظاہر کرتے ہوئے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرایا تھا، تاکہ اس کی حکومت کے لیے وہ خطرہ نہ بن جائیں، لیکن وہ اگر تعلیم کا ذریعہ استعمال کرنا تو اس کو اس طرح قتل کرانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، وہ تعلیم کے ذریعہ ان کی طبیعت و شخصیت بدل سکتا تھا، وہ کہتے ہیں: یوں قتل سے بچوں کے دہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوچی یعنی اگر فرعون اسکول و کالج کا تعلیمی نظام اپنا لیتا تو اس کو خون خراب کرنے کی نوبت نہ آتی۔ اگر یہ جب اس ملک میں آئے تو انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا، اور اپنے مقصد کے مطابق نظام تعلیم بنایا، وہ یہ تھا کہ مسلمان بچے ان نظریات و خیالات کے حامل بن جائیں کہ انگریزوں کے ارادوں اور منصوبوں کو پسند کریں، اور ان کو انجام دینے میں خوشی مدد کریں۔ اور انگریزوں نے اس طریقہ سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی، اور اس وقت کے بہت سے لوگوں میں اس تعلیم سے اپنے مذہب کی بے وقتی اور انگریزی نظام زندگی کی عظمت پیدا ہوئی۔

بچکی تعلیم و تربیت کا ابتدائی جو مرحلہ جو مال بات کے علاوہ دیگر لوگوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اسکوں کے ذریعہ ہو اردوگرد کے ماحول کے ذریعہ، وہ بہت اہمیت رکھتا ہے، خاص طور پر اسکوں و مدرسہ کی تعلیم وہ اہم ذریعہ ہے جس کو اگر بچوں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی فکر کرنے پاپ کی سرپرستی کے مرحلہ سے ہی ملتا جلتا اور اس کے معا بعد کا ہوتا ہے۔ اس میں بچہ کے رجحانات اور اس کے تصورات مزید بڑھتے، اور اس کے عقائد کی بنیادیں مضبوط ہونے لگتی ہیں، اور زندگی کی عملی ضرورت کی معلومات بھی اس کو حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ بچکی ابتدائی زندگی کے ان دونوں مرحلوں میں بچہ کا یہ خاص مزاج ہوتا ہے کہ وہ ہر دیکھی جانے والی چیز اور سنی جانے والی چیز سے تاثر لیتا اور سیکھتا جاتا ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر فن تعلیم کے بعض مفکرین نے اس مرحلہ زندگی کو دیگر اعلیٰ زندگی کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی ہے، چنانچہ مانیسری نظام تعلیم اسی نقطہ نظر کے مطابق وہ چلاتے ہیں۔

اس طرح تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا، خاص طور پر اس مختلف مذاہب اور مذہبی رجحانات رکھنے والے ملک میں بہت ضروری ہے کہ تعلیم کے بنیادی مرحلے میں صرف زندگی کی ضروری معلومات ہی نہ پیش کی جائیں، بلکہ اخلاق کو سنوارنے کی باتیں بھی فرمائیں جائیں، اور نظریات و کردار کی تغیر کا بنیادی کام بھی انجام پائے۔

تعلیمی عمل ابتدائی مرحلہ میں تو خاص اہمیت رکھتا ہی ہے، لیکن وہ آگے کے مرحلوں میں بھی کم اہمیت کا مالک نہیں۔ یہ عمل انسانی زندگی کا وہ اہم ترین عمل ہے جس کے اثرات گھرے اور در درس ہوتے ہیں، وہ جس رجحان اور مقصد کے تحت کیا جاتا ہے اسی کے مطابق نتائج پیدا ہوتے ہیں، نو عمر انسان کو جیسی تعلیم دی جائے گی ویسا ہی ذہن بننے گا، اور اسی کے مطابق تربیت ہوگی۔ مشہور شاعر اکبرالہ آبادی جو رسول سرسوں کے بڑے عہدہ

معاملہ میں ضروری احتیاطیں بھی رکھنا ہے۔ کسی بھی ماحول کا اثر اس کے رہنے والوں پر عام حالات میں ضرور پڑتا ہے، ایسے ماحول میں جہاں شرک و کفر کو برانہ سمجھا جا رہا ہو، اور وقتاً فوقاً اس کے سامنے آنے کا موقع پیدا ہوتا رہتا ہو، اس کے مخالف اسلام ہونے کا ہمارا احساس کمزور پڑ سکتا ہے، اس لیے ہم سب کو بہت چوکنا اور ہوشیار ہنچا ہے۔ بنی اسرائیل جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، جن کا ذکر ابھی آپ نے سن۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد مصر کے ملک میں صدیوں رہے تھے، وہاں فرعون کی تعلیمات اور فرعون کے مشرکانہ عقائد پر عمل وہاں کی قوم کرتی تھی، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وہاں سے لے کر مصر سے باہر آگئے تو مصر کے دوران قیام بنی اسرائیل نے جو بت پرستی دیکھی تھی، اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ ایک جگہ بت پرستی کا جب ایک جشن انہوں نے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی ایسا کوئی انتظام کر دیجئے، ہم بھی اس طرح کر کے اپنی طبیعت کو خوش کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ناراض ہوئے اور بتایا کہ تم توحید کے عقیدہ والی اور خدائے واحد کی ماننے والی امت ہو، ایسی اٹی بات کا مطالبہ کرتے ہو، تو انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتی۔

یہ تھا اس صورت حال کا اثر جو بنی اسرائیل پر مصری ماحول کا پڑا تھا، آج ہم اس ملک میں اسی طرح کے ماحول میں رہتے ہیں، اس لیے ہم کو بہت چوکنا اور ہوشیار ہونا چاہیے، اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ قائدین ملت تو حالات پر اور تعلیمی نظام پر نظر رکھیں اور غلط باقاعدے سے ہوشیار کرتے رہیں، اور عام مسلمان ہوشیار ہیں۔ مشرکانہ اور

ہے، شرکیہ اور کفریہ ماحول میں رہنے کی صورت میں اس خطرہ کو سمجھنا چاہئے۔ بنی اسرائیل کے برگزیدہ بنی اور مورث حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت یہی خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کو مجع لیا تھا اور پوچھا تھا کہ اے بیٹو! تم میرے مرنے کے بعد کسی اور کی توبندگی کرنے نہیں لگو گے؟ اور جب ان کے بیٹوں نے یہ اطمینان دلایا کہ نہیں اے ابا جان! اسی خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس کی بندگی آپ نے، آپ کے والد حضرت اسحاق نے، اور آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہم السلام نے کی، حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی چین ملا۔ یہ تھے اللہ کے نبی جن کو خدائے واحد کی بندگی کی اتنی فکر رہتی تھی کہ اپنے بیٹوں کے لیے آئندہ حالات سے ڈر کران کے ایمان کے متعلق اطمینان حاصل کیا، کیونکہ ان کو مصر کے شرکیہ و کفریہ ماحول میں رہنا تھا، آج ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کو اپنی اولاد کے دین اور سیرت و اخلاق کے سلسلہ میں کتنی فکر ہے؟

ہر ملک کے ہر شہری کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ جائز دنیاوی معاملات اور ملک و قوم کی بے ضرر سپلینڈی کی فکر کو کشش کرے، اور اس کی خاطر بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرے، اور زیادہ سے زیادہ علمی و عملی صلاحیت پیدا کرے، یہ اس کا انسانی حق بھی ہے اور ملک کے شہری ہونے کے لحاظ سے بھی یہ حق بتتا ہے، تو جہاں اس کے لیے یہ ضروری ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کردار اچھا ہو، اور اس کے عقائد و اعمال صحیح ہوں۔ اور وہ انسانیت نو ایجادات سے اپنے کو آراستہ کرے۔ لہذا مسلمانوں کو ملک میں راجح تعلیمی سہولتوں سے پورا فائدہ اٹھانا ہے، لیکن اپنے مذہب اور عقائد کے

ہمارے بزرگوں نے بڑی فکر مندی محسوس کی، اور مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ وہ اس بات کی فکر کریں کہ ہمارے صحیح دینی عقائد و اعمال سے ہماری نئی نسل دور نہ ہو جائے، اور اس کے خیالات محدثانہ یا کافرانہ و مشرکانہ نہ ہو جائیں۔

اگر سیکولرزم کی بنیاد پر سب مذاہب کو اپنے حقوق قائم رکھنے کا حق نہ بھی ہو تو بھی اسلام وہ مذہب ہے جس کے عقائد و اعمال و اخلاق کا ضابط یہی نہیں کہ وہ لازمی اور دینی فرضیہ ہیں بلکہ مسلمان کی زندگی کی کامیابی کے لیے اور اپنے پروردگاری ناراضی سے بچنے کے لیے ضروری ہیں، اور آخرت کی زندگی میں تو کامیابی کا انحصار ان ہی عقائد و اعمال پر ہے، اور آخرت کی زندگی وہ زندگی ہے جس کی مدت بھی ختم ہو گی، اور اس میں عافیت و سلامتی ملے گی تو ہمیشہ کے لیے ملے گی، اور نہ ملے تو ہمیشہ کے لیے مصیبت ہے، اور وہاں کی کامیابی اسلام کے دینے ہوئے عقائد و اعمال و اخلاق کی پابندی ہی سے حاصل ہو گی۔ اسلام تو حید کا مذہب

ہے، اس میں خدائے واحد ہی کو مانا جاتا ہے، اور اسی کی عبادت کی جاتی ہے، جب کہ دوسرے بعض مذاہب میں ہر ایسی چیز کی عبادت ہوتی ہے جس سے انسان کو فتح یا ضرر ہو، خواہ وہ کیسی ہی معمولی مخلوق ہو، مثلاً زمین و درخت و دریا، اور تاریخ ماضی کے بعض نیک انسان، لیکن مسلمان ان سب کو خدا کی مخلوق سمجھتا ہے، اور ان کو بالکل قابل عبادت نہیں سمجھتا۔

انسان اگر ایسے ماحول میں رہتا ہے جہاں شرکیہ یا کفریہ عقائد و اعمال کا چلن ہو تو بار بار اور ہر وقت ان کو دیکھنے کی بنا پر ان کی ناپسندیدگی کا خیال کچھ نہ پچھ دل سے کم ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ بھی کبھی تو ان کو بار بار دیکھنے والا ان سے متاثر ہو کر ان کو اختیار کرنا چاہتا

## مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب مطبوعات

### مطالعہ سیرت و تاریخ و تہذیب

از ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

صفحات: ۳۲۲--- قیمت: ۳۰۰ روپے

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے

### تفسیری نکات

از مولانا محمد فرمان ندوی

جلد اول: صفحات: ۲۹۲ جلد دوم: صفحات: ۲۸۰

دونوں جلدوں کی کل قیمت: ۸۰۰ روپے

تینوں کتابیں ڈاک مصارف کے ساتھ صرف ۱۰۰۰ روپے میں

### مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 9889378176 موبائل نمبر: 0522-2741539

ایمیل: info@airp.org.in

کافرانہ ماحول سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو اس سے متاثر ہونے سے بچائیں، اس کے لیے اپنے گھروں میں بچوں کو باتوں با تلوں میں صحیح عقاید و اعمال کی تلقین کرتے رہا کریں، اور پھر تعلیم کا مرحلہ آنے پر اسکولوں کے رویے اور وہاں کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا کہ جس طرح ہم اپنی دیگر دو اتوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ چور چاند لے جائے، اور ڈاکو ڈاکہ مار کرنے لے جائے، اسی طرح ہم کو اپنے عقاید و مذہبی معاملات کو اپنی عظیم دولت سمجھتے ہوئے ان کی بھی حفاظت کرنا ہے کہ ماحول کے اثر سے اور اسکول کی تعلیم سے یہ دولت ہم سے چھیننے نہ جاسکے، اور ہم کو اس سے محروم نہ کیا جاسکے۔

ہم بحیثیت مسلمان خیرامت ہیں، ہماری غیرت کا بھی تقاضہ ہے کہ ہم کو خداۓ واحد نے اپنے نبی کے ذریعہ جو دین عطا فرمایا ہے، اور جس کی قدر و حفاظت کا فرض ہم پر پوری سختی کے ساتھ عائد ہوتا ہے، ہم اس فرض کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو کم از کم گھر کے اندر، پھر ابتدائی تعلیم کے مرحلہ میں اپنے دین کی بنیادوں عقیدہ توحید اور عبادت و اخلاق سے نہ صرف یہ کہ واقف کرائیں بلکہ ان کی غیرت و حمیت بھی ان کے اندر ایسی پیدا کریں کہ وہ کسی خطرہ کے موقع پر بھی ثابت قدم رہیں، اور ان کا دین و ایمان سلامت رہے، اور آخرت میں بھی ہم اپنے اہل و عمال کے ساتھ سرخ رو ہوں، اور اپنے نبی کریم محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرست اور اپنے خدائے واحد کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔



## فکر و نظر

# اصل لفظ اور مطلوب و مقصود

مولاناڈاکٹر سعید الرحمن عظیمی ندوی

اسلامی نظام حیات کے مطالعہ پر توجہ مبذول ہوئی، اور لوگ اسلام کی طرف آنے لگے، مغرب و مشرق میں مختلف جماعتیں اسلامی تربیت کے اصول و افکار کا بنظر غائر مطالعہ کر رہی ہیں اور اسلامی عقیدے کو گلے لگانے، ایمان و یقین کے سانچے میں ڈھل جانے اور اسلامی تہذیب کے زیر سایہ رہ کر زندگی گزارنے میں اپنے شوق و رغبت کا اظہار کر رہی ہیں۔

آج مغربی انسان، قلمی سکون و طمیانہ کی تلاش میں عقیدے اور ایمان کے راستے کی طرف لوٹ رہا ہے، جہاں اُسے اپنی متاع گم شدہ کی بازیابی اور اس کو دل کا سکون ملتا ہے اور وہ دل کی گھرائیوں سے اللہ کی حمد و شکرانے کا تناہی ہے کہ اللہ نے اُسے زندگی کی خوش بختی، حقائق اور اصل مقصد تخلیق کی معرفت کا زریں موقع عنایت فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ“ [ذاریات: ۵۶] (میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں)۔ خداوند قدوس نے اس کو محرومی سے سعادت کی طرف اور تاریکیوں سے نور کی طرف نکال کر تباہہ و فرمایا، خیر و شر، معروف و منکر کی تمیز دے کر اُسے کس قدر اعزاز بخشنا، برائیوں سے نکال کر اچھائیوں کی طرف اور مادیت کی باغیانہ روشن سے نکال کر امن و عافیت کے دامن میں لا پہنچایا اور ذکر الہی پر اعتماد اور فرائض و واجبات کی ادائیگی کا بہترین موقع عطا فرمایا، وہ موقع زندگی میں خوشنگواری، وقت میں برکت و کامیابی اور مصائب و امراض کے ازالہ کا شامن ہے، اس کی بیانات پر انسان اپنے رب کا محبوب بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہی اس کا نگراں، محافظ، حامی و ناصر ہو جاتا ہے، پھر اسے نہ کسی قسم کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور نہ غم

تکمیل جدید اور اسے پسندی، ناخواندگی بھتاجی اور امراض سے نجات دلانے اور ان تمام اقتصادی بحرانوں اجتماعی پریشانیوں اور نسلی امتیازات سے نکلنے کا یقین دلاتے ہیں، تیسری دنیا کے باشدے آج اس آزمائش سے دوچار ہیں، مگر اس حقیقت سے سب ہی واقف ہیں کہ یہ بلند بالگ نفرے اور زوردار دعوے مادیت پسند مزاج کے مسائل کو حل کرنے اور رعلی کیمپوں کے بھراؤ کو دور کرنے میں کچھ بھی کارگر نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ عالمی مسائل برابر بڑھتے اور پھیلتے ہی جا رہے ہیں اور دور تک ان کا کوئی حل یا ان سے گلوخلاصی کی کوئی سیمیل نظر نہیں آ رہی ہے، وقت فو قتاً مختلف شکلوں میں پیش کئے جانے والے معاشرتی فارمولوں اور تہذیب جدید کی نئی شکلوں سے حقیقی مسائل کا حل نکالنا نہ صرف یہ کہ بہت مشکل ہے، بلکہ انہائی ناممکن ہے۔

بہت سے مغرب کے تعلیم یافتہ لوگ بلکہ عوام الناس بھی اس میدان میں مختلف تحریبوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جو بھی اجتماعی فکر، اقتصادی اور علمی شکلیں ان کے سامنے رکھی جاتی ہے وہ صرف زبانی جمع خرچ اور خوش آئند باتیں ہی ہوتی ہیں، جو کسی حال میں بھی وہنی اور روحانی الجھنوں کو دور کر کے روح کو تسکین نہیں دے سکتی ہیں، اس نتیجہ کے بعد ہی سے اسلام اور انسانی تہذیب اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر و تکمیل کے لئے

اس ترقی پذیر دنیا میں مادی عقل نے جو بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ عقل، فوری طور پر حاصل ہونے والے لفظ کی منطق کے تابع ہے، گلوبالائزیشن (GLOBALIZATION) اور عالمگیریت کا نظام بہت سے خلاف شرع تصرفات اور ایسے امور کا سبب بنا ہے جن کا اخلاقی قدر ہوئی بشری قوتوں اور انسانی وسائل کو استعمال کر کے اقتصادی اور تجارتی میدانوں میں خود سری اور ڈیٹھر شپ کا مزاج پیدا کرنے والی بے قابو خواہشات کا بھی باعث ہوا ہے، گلوبالائزیشن کا نظام مادی تہذیب کے پرستاروں، ایک منحر آئینڈیا لو جی (IDEOLOGY) اور نقطۂ نظر کے حاملین کے مخصوص گروپ ہی کی ذاتی مصالح کی تکمیل کرتا ہے اور اس آئینڈیا لو جی سے بہت سے سادہ لوح حضرات جو اسے معتبر گردانتے ہیں دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس وقت اسلامی شناخت مٹانے اور اس کی امتیازی حیثیت ختم کرنے کی زبردست کوششیں جاری ہیں، جسے ایک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں رو بہ عمل لاتا ہے، اور ان تربیتی نظاموں اور پروگراموں کو پیکر بدلتینے کی سازشیں کی جا رہی ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں اسلام کو مطلوب ہیں، اور عالمی سطح پر گونا گون شفاقتی پروگراموں کی بھرمار کرنے والے نفرے دیئے جا رہے ہیں وہ معاشرہ کی

رب کی آئیں پڑتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے، لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہو گے، پس سرکشوں کاٹھ کانا بہت ہی برآ ہے)۔



فِيهَا، فَبِئْسَ مَثُوَى الْمُتَكَبِّرِينَ [زمر: ۷۱-۷۲] (کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے، اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے

واندیشہ، نہ پشمیانی اُسے لاحق ہوتی ہے اور نہ اکتا ہے و آزر دیگی، یہی نصرت الہی اور توفیق ربی

ہے جس سے ہر لمحہ وہ فیض یا بہوتار ہتا ہے:

”إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا رَبِّنَا اللَّهَ ثُمَّ اسْتَقْبَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمُلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزُنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أُولَيَّوْ أُنْثُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ“ [سجدۃ: ۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتہ نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈر، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی)۔

یہی اصل نفع اور اصل مطلوب و مقصود ہے، اہل ایمان کو اسی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ارباب عقل و دانش کو اسی کی طرف لپکنا چاہیے اور جہاں تک فوری نفع اور عارضی دولت کا مسئلہ ہے تو وہ صرف فریب خور وہ ذہنیت اور محروم لوگوں کا مقدر ہے، جن کو خواہشات نفسانی اور اغراض، ہلاکت کے گھر یعنی جہنم کی طرف لیے چلے جا رہے ہیں، جس میں وہ جلسائے جائیں گے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

اللہ تعالیٰ کافرمان کس قدر واضح اور روشن ہے:

”وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا، حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتَ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ حَرَّنَهَا أَلْمَ يَأْتُكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتَلَوَّنَ عَلَيْكُمْ أَيْتِ رَبِّكُمْ وَيُنَذِّرُونَكُمْ لِقاءَ يَوْمَكُمْ هَذَا، فَالْأُولُوَّ بَلِي وَلِكُنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَدَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ، قَيْلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِيلِيْنَ“

## دعوتِ اسلامی اور غلبہ و اقتدار

مولانا سید محمد واضح رشید حسني ندوی

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی اس امت نے روئے زمین پر غلبہ و اقتدار کے شرائط پورے کیے، اپنا مطلوبہ کردار ادا کیا تو اسے غلبہ و حکمرانی حاصل ہوئی، اور اس نے دنیا کی قیادت کی، تاریخ اسلامی میں جو بھی حکومت قائم ہوئی اس کی بنیاد دعوت الی اللہ، عقیدہ و اخلاق کی اصلاح رہی ہے، لیکن جب مغربی تہذیب کا دور شروع ہوا، اور امت نے اس کے وسائل زندگی اور اس کے قائدین کے افکار و خیالات کی تقیید کی اور دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ کر مادی تہذیب میں غرق ہو گئی تو یہ کمزوری اور زوال کا شکار ہو گئی، اور قیادت و سیاست دوسری قوم میں منتقل ہو گئی۔

تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی اسلامی حکومت وجود میں آئی تو اس کے قیام میں اقتدار اور اس کے تقاضوں کے درمیان بھی مضبوط ربط و جوڑ کا رفرما تھا اور اس کے زوال کا سبب اس کی سستی اور استخلاف فی الارض کے تقاضوں سے اخراج رہا، اور یہ بار بار ہوا ہے، تاریخ کے ہر دور میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

تاریخ اسلامی کی یہ عجیب بات ہے کہ ہر وہ حکومت جس نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دیا، اس کا قیام دعوت اسلامی کے سایہ میں ہوا، غلبہ و اقتدار دینی جذبہ ہی کے تحت حاصل ہوا، اور زوال اور پستی کا سبب ہمیشہ پر عیش زندگی اور تمدن کی ریل پیل رہا، اس کی مثال انہل، مصر، بغداد، ہندوستان، ایران اور ترکی ہے، انہما لک میں عظیم حکومتیں قائم ہوئیں اور صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، حکمران خاندانوں کے فرق سے یہ صورت حال ہر دور میں نظر آتی ہے، اسلامی حکومتوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو یہ معلوم ہے کہ اسلامی حکومت اور غلبہ علماء اور دینی پیشواؤں کی سر پرستی و رہنمائی میں قائم ہوا، جب تک اسلامی حکومتیں علماء دین کی سر پرستی میں رہیں تو طاقت و قوت حاصل رہی، فتوحات اور حکومت کا دائرہ وسیع رہا، لیکن جب علماء اور دینی پیشواؤں کی سر پرستی نہ رہی، مادی ذہن کے حکمران آگئے، علماء کا اثر و رسخ ختم ہو گیا، اور ان کے فتوتوں کی توہین کی جانے لگی تو اسلامی حکومت کا دائرہ تنگ ہونے لگا، یہاں تک کہ امت مسلمہ اقتدار و قیادت کے منصب سے محروم ہو گئی، پوری اسلامی تاریخ اس کی گواہ ہے۔



## راہ عمل

# خدمتِ علم و دین اور معاش کا مسئلہ

## مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

کے یہاں تعلیمی مراحل کی ترتیب نہیں ہے، جیسا کہ دنیا کے تمام تعلیمی نظام میں ہوا کرتی ہے، جو مدرس درس نظامی کھلاتے ہیں، عام طور پر ان میں تعلیم کی ابتداء عربی زبان کے گرامر کی ایک کتاب ”میزان الصرف“ سے ہوتی ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ جس بچے نے ”میزان الصرف“ کی جماعت میں داخلہ لے لیا، اس کے لیے دو ہی راستے ہیں، یا تو بخاری شریف تک پہنچ اور مکمل عالم و فاضل کی سند لے کر تعلیم کی دنیا سے باہر آئے، اور اگر اس کا ذہن ساتھ نہ دے یا لگر یلو حالات ساتھ نہ دیں تو تحکم ہار کر بیٹھ جائے، تعلیمی سلسلہ کو منقطع کر دے اور اس حال میں مدرسہ سے باہر آئے کہ اس کے پاس کوئی سند نہ ہو، اس کا نتیجہ ہے کہ سند یافتہ کم صلاحیت علماء کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، دوسرا طرف بڑے مدارس کی شکایت بھی قائم ہے کہ ہمیں باصلاحیت اور باکردار استاذ نہیں ملتے۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ معاش انسان کی بنیادی ضرورت ہے، کوئی شخص اس ضرورت سے مستغای نہیں ہو سکتا، نہ حافظ نہ مولوی، نہ عالم نہ پیر، دنیا کی بعض قوموں میں یہ روایت ہے کہ ان کے مذہبی تاکیدین نہ شادی کرتے ہیں نہ کرتے ہیں؛ بلکہ وہ قوم کے نذر انوں پر اپنی زندگی گزارتے ہیں اور جب شادی نہ ہو، بیوی پچھے نہ ہوں تو یوں بھی ان کی ضروریات محدود ہو جاتی ہوں گی، ہمارے ملک میں بھی اکثر مذہبی گروہوں کا یہی حال ہے؛ لیکن اسلام ایسے توکل کا قائل نہیں ہے، اکابر صحابة بڑے بڑے تابعین، فقہاء و محدثین صنعت و تجارت کے ذریعہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کرتے تھے، اسلام نے ہر مندر اور باصلاحیت کو بے کار، کاہل اور سست مؤمن کے مقابلے بہتر قرار دیا ہے، لیکن دشواری یہ ہے کہ جب طلب کے مقابلہ رسد

بھی ضرورت سے زیادہ مدارس قائم ہو گئے ہیں، مثلاً فرض کیجیے کسی شہر میں چیس ہزار مسلمان آباد ہوں تو وہاں زیادہ سے زیادہ ڈھانی سوبچوں کے بارے میں امید کر سکتے ہیں کہ وہ حفظ قرآن مجید یا عالم کو رس کی تعلیم حاصل کریں گے، یہ تعداد ڈھانی فیضہ ہوتی ہے؛ لیکن آج کل بہت سے علاقوں میں اتنے چھوٹے چھوٹے مدارس ہیں کہ ان میں چالیس پچاس بلکہ بیس چھیس ہزار طلبہ پڑھتے ہیں اور وہ ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اگر دیانت کے ساتھ ایسے پانچ چھ مدارس کو جمع کر دیا جائے تو ایک مدرسہ کی تعداد بنتی ہے، یہ میں چالیس اور پچاس ساٹھ بچوں کی درس گاہوں کی کثرت کی وجہ سے وسائل ضائع ہوتے ہیں؛ چوں کہ ہر ادارہ میں کلاس کے اعتبار سے استاذ رکھنا ہوتا ہے، چاہے کلاس میں پانچ طالب علم ہوں یا چھیس، ہر ادارہ میں منتظم اور طباخ کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر پانچ اداروں کو کچھ کر دیا جائے تو نصف سے بھی کم خرچ میں ان تمام طلبہ کی تعلیم ہو سکتی ہے، اس کی وجہ سے مستحق مدارس کی آمدی کم ہو جاتی ہے، اور وہ اس موقف میں نہیں ہوتے کہ اساتذہ کو مناسب معاوضہ دیں اور سہوئی فرائم کر سکیں، دوسرا طرف تمام فارغین اپنا معاش مدرسہ اور مسجد ہی میں تلاش کرتے ہیں، یہ بھی مدارس کی معاشی کمزوری کی ایک وجہ ہے۔

بہر حال مدارس کی یہ کثرت مفید ہو یا نہیں اور

مناسب ہو یا غیر مناسب؛ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کی وجہ سے طلبہ کی بہلے سے زیادہ تعداد بڑے مدارس میں پہنچتی ہے، پھر بڑے مدارس کا حال یہ ہے کہ ان ایک تھی، نماز تراویح کے لیے لوگ کئی کئی ماہ پہلے سے حافظ کو تلاش کرتے تھے، اور تراویح پڑھانے والوں کے بڑے ناز و نذر اور مطالبات ہوتے تھے، علماء تو بہت ہی کم ہوتے تھے، ایک متوسط درجہ کے شہر میں علماء کی تعداد اتنی کم ہوتی تھی کہ انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا، پیشتر مسجدوں میں صرف حافظ امام ملتے تھے، جمعہ میں لوگ کتاب پڑھ کر سنا دیتے تھے، زیادہ تر مسجدوں میں زبانی بیان کرنے والے لوگ نہیں ہوتے تھے، دیہاتوں کی صورت حال یہ تھی کہ نکاح پڑھانے کے لیے بھی دور دور سے عالم کو بلا کر لاتے تھے، آج سے تیس چالیس سال پہلے تک ملک کے پیشتر حصوں میں یہی صورت حال تھی، مدارس کم تھے اور دارالاقامہ والے مدارس اور کم تھے، اور وہ اقتضی مدارس جن میں علیت تک مکمل تعلیم ہو، بہت ہی کم تھے، پوری ریاست میں چند مدارس ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و حسان ہے کہ علماء نے جو مدارس کی تحریک شروع کی تھی، وہ ترقی کرنی گئی، آج چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی علماء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، قصبات اور بڑے دیہاتوں میں بھی علماء علم کی روشی پھیلانے کا کام کر رہے ہیں، اب دور افراطہ قریب جات ہیں جہاں کوئی مدرسہ اور مکتب نہیں ہے، یا علماء و حفاظ نہیں ہیں اور اس میں بھی دخل مقامی مسلمانوں کی غفلت، جگالت اور بے تو جہی کا ہے، یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ اب بڑے بلکہ متوسط شہروں میں

ہوتی ہے اور وہ ان کے خاموش تعاون کو اپنے لیے وجہ سعادت سمجھتے ہیں، یہ چیزیں ان کے لیے زندگی کے آخر حصہ میں فراغی کا باعث بنتی ہیں؛ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ بعض چھوٹے چھوٹے ادارے جس کے ذمہ دار کسی خاص ملکی ضرورت کے بغیر ادارے چلاتے ہیں، ان کے پاس بہت جلد بہت سی سہولتیں مہیا ہو جاتی ہیں؛ لیکن یہ ادارے بھی اور ان کے ذمہ دار ان بھی امت کی نظر میں بے وزن اور بے وقت ہیں، نہ ان کے یہاں حساب و کتاب ہے، نہ کوئی مجلس انتظامی ہے، ایسے چند ادارے ضرور ہیں، بعض تو ایسے بھی ہیں، جن کا زمین پر کوئی وجود ہی نہیں ہے، صرف تعارف ناموں میں آپ ان کا نام پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ بیشتر مدارس کی صورت حال ایسی نہیں ہے، اور اس کا انتظام کرنے والی شخصیت یا کمیٹی حساب و کتاب کے نظام کے ساتھ پورے کام کا نجام دیتی ہے۔

ادارے کی انتظامیت کے لیے مشکل یہ ہے کہ ان کا انحصار عوامی تعاون پر ہے، جو تعاون ادارہ کو حاصل ہو، اس سے بڑھ کر وہ کیسے اپنے عملہ کا حق الخدمت متعین کر سکتے ہیں، گورنمنٹ کے پاس تو بے انہاء دولت ہے اور وہ بین الاقوامی اداروں سے قرض لینے کا بھی بڑا "حوالہ" رکھتی ہے، اور جو کمپنیاں ہیں وہ تجارتی ادارے ہیں، عصری تعلیمی اداروں کا بھی یہی حال ہے، وہ طلبہ سے موٹی موٹی فیس لیتے ہیں اور ان کا مقصد ہی تجارت ہے، لیکن دینی ادارے چیزیں بیبل ادارے ہیں، جہاں اللہ کے ہر وہ طلبہ کے لیے مفت تعلیم اور ضروریات کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ ظاہر ہے کہ اپنی آمدی کے دائرہ ہی میں نظم و نسق چلا سکتے ہیں، ملک کے بعض بڑے تاریخی ادارے ایسے ضرور ہیں جنہوں نے تجوہوں کا اعلیٰ معیار رکھا ہے؛ مگر ان کی ایک تاریخ ہے، جو اصحاب خیر کی خصوصی توجہ کا

کمپنیوں میں خدمت انجام دے کر اوپر تجوہاںیں حاصل کرتے ہیں، اور ایک بھائی کسی مسجد میں امامت کرتا ہے یا کسی مدرسہ میں پڑھاتا ہے اور اس کی تجوہ اپنے دوسرے بھائیوں کے مقابلہ مشکل سے دس بیس فیصد ہوتی ہے تو ایک ہی گھر میں دوسرے بھائیوں اور ان کے بال بچوں کا جو دنیوی معیار ہے، وہ اس بھائی سے بہت اوپر چاہے، اگر مدرسہ سے پڑھا ہوا ایک فاضل قرآن و حدیث کی برکت سے اپنی خواہش پر قابو پا بھی لے اور اپنے آپ کو تقاضت پر آمادہ کر لے تب بھی یہ بہت مشکل ہے کہ اس کے بیوی اور پچھے بھی اس پر راضی ہو جائیں، اور ایک طرح کی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، ان فضلاء کو بعض دفعہ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے دینی تعلیم کے میدان میں آکر غلطی کی ہے ناعز باللہ۔

دوسرے سبب یہ ہے کہ ان کو اداروں کے ذمہ داران اور مساجد کمپنیوں کے ارکان کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے رہنمائیں کا معیار ہم سے اوپر چاہیے، ان کے پاس گاڑی ہے، دیگر سہولتیں ہیں، ہمارے پاس یہ سب نہیں ہیں، یا کم معیار کی ہیں، اس سے ایک طرح کا جذبہ منافر ت جنم لیتا ہے، وہ اس بات کو سوچل میڈیا پر بھی لکھتے ہیں، لوگوں کے درمیان بھی کہتے ہیں؛ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، پھر اس سے ان کی خلکی اور زیادہ بڑھتی ہے؛ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک قدیم استاذ یا ذمہ دار تیس چالیس سال خدمت کر کے جس مقام پر پہنچا ہے، آپ آج ہی وہ مقام حاصل کر لیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ وقت کے گزر نے کے ساتھ ساتھ ان کی تجوہوں میں اضافہ ہوتا ہے، ان کے پچھے بڑے ہوتے ہیں اور ان کی آمدی بھی والد کے لیے معماشی تقویت کا سبب بنتی ہے، ان کی طویل خدمت ہوتی ہیں، اب اگر ایک ماں باپ کے پانچ بچے ہیں،

بڑھ جائے اور کسی میدان میں جتنے افراد کارکی ضرورت ہو، اس سے زیادہ افراد تیار ہونے لگیں تو چیز سستی ہو جاتی ہے اور انسان کی قدر گھٹ جاتی ہے، اس وقت مدارس سے فارغ ہونے والے نئے فضلاء اسی صورت حال سے دوچار ہیں، ضرورت ایک کی ہوتی ہے اور کئی لوگ اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، پھر اگلamer حملہ یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر اس کام کے لئے جس معاوضہ کی ادائیگی کا رواج ہے، اس سے بہت کم پر راضی ہو جاتے ہیں، اگر یہ راضی ہو نا اللہ کے دین کی خدمت اور قرآن و سنت کے اشاعت کے جذبے سے ہوتا ہے، اور ایسا سوچنے والے لوگ بھی الحمد للہ موجود ہیں اور مجانبہ اللہ لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر بڑھ جاتی ہے، لیکن بہت سے لوگوں کی نیت اتنی بلند نہیں ہوتی، اور وہ مجبوری سمجھ کر اس پر راضی ہو جاتے ہیں، وہ اپنی سوچ کے اعتبار سے دنیا کا نقصان بھی اٹھاتے ہیں اور اپنی نیت کے اعتبار سے آخرت کے نقصان کا بھی اندر یشہ ہے۔

اس لیے نوجوان فضلاء میں شدت سے معاشی محرومی کا احساس پایا جاتا ہے، اس احساس کوئی باتیں بڑھاتی ہیں، سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج سے چالیس چھپاں پہلے پرائیویٹ ملازموں اور گورنمنٹ ملازموں کی تجوہاںیں بھی کچھ بہت زیادہ نہیں تھیں، اب چوں کہ ہندوستان افرادی وسائل کے اعتبار سے چین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے؛ اس لیے ترقی یافتہ ممالک کی کمپنیاں اپنا کاروبار یا کاروبار کے انتظامی اور تجارتی دفاتر ہندوستان میں قائم کر رہے ہیں، ان کمپنیوں میں کام کرنے والے نوجوانوں کو ہندوستان کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تجوہاںیں ملتی ہیں؛ لیکن وہ تجوہاںیں ان کے ملکوں کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہیں، اب اگر ایک ماں باپ کے پانچ بچے ہیں، چار عصری تعلیم کے میدان میں ہیں اور وہ مختلف

ذریعہ کوئی بھی آدمی اپنی آمدی میں مناسب اضافہ کر سکتا ہے، بڑھا پے کی عمر میں کسی نئی چیز کا سیکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن جوانی کی عمر میں سیکھنا مشکل نہیں ہوتا، اب یہی دیکھنے کے کتابت کی جگہ کمپوزنگ نے لے لی اور کمپیوٹر کے ذریعہ لکھنے سارے کام کیے جا سکتے ہیں، کتابت کے، ذیزانگ کے، بحث و تحقیق کے، ترجمہ کے وغیرہ وغیرہ، اسی طرح آن لائن تدریس اور آن لائن تجارت کا راستہ کھل گیا ہے، جس سے بہت سے نوجوان علماء وابستہ ہیں، اور میں نے سنا کہ یہ کام بہت کم پیسوں میں اور بہت کم وقت میں ہو جاتا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح کے بہت سارے کام موجودہ دور میں پیدا ہو گئے ہیں جو خادمین دین کے لیے تقویت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

۳- اس سلسلہ میں سب سے اہم ذمہ داری اولیاء اور سرپرستوں کی ہے، جو شخص اپنے بچوں کو دینی تعلیم میں لگاتا ہے تو یقیناً اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مستقبل میں اس کی یاد اور معاشری اعتبار سے کمزور ہو گی تو اس کو چاہیے کہ وہ اگر تجارت یا کاروبار میں ہے تو یا تو اپنی اس اولاد کو آئندہ عملی طور پر کاروبار میں شریک کر لے، یا اپنی طرف سے ایک حصہ جیسے پندرہ فیصد، دس فیصد اس کو ہبہ کر دے اور نفع کا اتنا حصہ اس اولاد کو دے، اور دوسرا بچوں کو سمجھا دے کہ چون کہ تمہارا یہ بھائی آئندہ دین کی خدمت کرے گا اور اس کا ثواب ہم سمحوں کو پہنچ گا؛ اس لیے تم اس کا برائیں مانو گے، تاکہ وہ اپنے تمام بھائی بہنوں کے ساتھ سر اٹھا کر زندگی گزار سکے، جہاں ہم دینی تعلیم دلانے کی ترغیب دلاتے ہیں، وہیں سرپرستوں کو اس کی ترغیب بھی دیں اور اگر کوئی شخص اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اولاد میں سے کسی

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان<sup>ؓ</sup> اور حضرت عبدالرحمن بن عوف<sup>ؓ</sup> کا شمار بڑے تاجریوں میں تھا، حضرت عمر<sup>ؓ</sup> تجارت کرتے تھے، اس سے اور اوپر جائیں تو بہت سے انبیاء کے بارے میں بھی منتقل ہے کہ وہ صنعت و حرفت سے فائدہ اٹھاتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام زراعت کرتے تھے، حضرت اور میں علیہ السلام خیاطی کرتے تھے، حضرت داؤ علیہ السلام زر ہیں بنایا کرتے تھے اور مویشی پالن کا کام ارشاد جوی کے مطابق تقریباً تمام ہی انبیاء کرام نے کیا ہے، آپ علیہ السلام نے ہنرجانے والے مسلمان کی تعریف فرمائی ہے: ان اللہ یحب المؤمن المحترف [الترغیب والترہیب، حدیث نمبر: ۵۳۳۲] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاقت و رموزن کمزور مومن سے بہتر ہے: المؤمن القوى خير من المؤمن

الضعيف [مسلم، حدیث نمبر: ۳۶۶۲] طاقت صرف جسمانی ہی نہیں ہوتی ہے، علم و فضل اور ہنر کی بھی ہوتی ہے، گویا آپ کے اس ارشاد میں ہنرمند مسلمان کی بھی تعریف کی گئی ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے پیشہ وارانہ کورس شروع ہوئے ہیں، جن کو مدارس کے اساتذہ اور مساجد کے خدام گھنٹے و گھنٹے لگا کر انجام دے سکتے ہیں، جن علماء کے لیے اپنی خدمت کا مقررہ معاوضہ کافی نہیں ہے، وہ ایسے ہنر سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہم لوگوں نے اپنی طالب علمی میں دیکھا ہے کہ بعض اساتذہ عصر کے بعد اپنے کتب خانہ میں بیٹھ کر کتابیں فروخت کرتے تھے اور بعض کتابت کرتے تھے، بعض جلد سازی کرتے تھے، بعض دلیلی علاج سے لوگوں کی خدمت کرتے تھے؛ تکنالوژی کی ترقی کی وجہ سے اب تو ہنر کا میدان اور وسیع ہو گیا ہے، جس کے باعث بنتی ہے، یا صنعتی و تجارتی گروپوں نے ان کی کفالت قبول کر لی ہے، عالم مدارس ان کی راہ پر نہیں چل سکتے؛ اس لیے یہ بات بھی چاہئے کہ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے، وہ پھولوں کی سیچ نہیں ہے، کافنوں کا بستر ہے، یہ بادشاہوں اور عیش کوشوں کا راستہ نہیں ہے، یہ وارثین انبیاء کا راستہ ہے، ہمیں اسی ذہن کے ساتھ کام کرنا چاہیے!!!

اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس سلسلہ میں چند نکات عرض کیے جاتے ہیں:

۱- نوجوان فضلاء کو سوچ سمجھ کر دینی خدمت کے میدان میں قدم رکھنا چاہئے، ان کے سامنے اپنے معاصرین اور بزرگوں کے تجربات ہیں، اگر وہ اس کو برداشت کر سکتے ہیں، تب تو دینی خدمت کے راستے میں آئیں، نہیں تو معاش کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کر لیں اور حسب سہولت اپنے علم و عمل کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچائیں، دینی خدمت کی حیثیت ان کے لیے ایک خوبی کام کی ہو، اصل کام کی نہ ہو، اپنی مرضی سے اس راہ میں آنا اور پھر دوسروں سے شکوہ نخ ہونا کوئی معقول بات نہیں ہے، اور اس سے طبقہ علماء کا وقار مجرور ہوتا ہے۔

۲- دینی خدمت کرتے ہوئے الگ سے کوئی چھوٹی موٹی تجارت یا صنعت کو اختیار کر لیں، اس سے ان شاء اللہ معاشری تنگ حالی کا تدارک ہو سکتا ہے، سلف صالحین کے یہاں اس کی ڈھیر ساری مثالیں موجود ہیں، امام قدوری<sup>ؓ</sup> جیسے فقیہہ بانڈی بنانے کا کام کرتے تھے، امام ابو بکر جصاص<sup>ؓ</sup> کو تو چونے کا کام کرنے کی وجہ سے ہی جھاٹ کھا جاتا ہے، زیارات کا معنی تیل نکالنے والے یا فروخت کرنے والے کے ہیں، اسی نسبت سے امام زیارات معروف ہیں، جو بڑے عالم تھے، امام ابو حنیفہ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے، اس سے اوپر جائیں تو

(تقویت پہنچانی چاہیے۔)  
 (ب) مدارس کی انتظامیہ کو چاہیے کہ طلبہ و اساتذہ کی ضروریات کو اپنی توجہات کا اولین ہدف بنائیں۔  
 (ج) فضلاء کو چاہیے کہ وہ تعلیمی و دینی ضرورت کے لیے مدارس اس طرح قائم نہ کریں کہ لوگوں کو خیال ہو کہ بطور ذریعہ معاش یا ادارے قائم کیے جا رہے ہیں۔  
 (د) جن لوگوں میں اس راہ کی دشواریوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، وہ اس راستہ کا انتخاب نہیں کریں؛ بلکہ دوسرا ذریعہ معاش اختیار کر کے غصی طور پر حسب موقع اور حسب صلاحیت دینی خدمت انجام دیں۔  
 (ه) اخبارات میں یا سوش میڈیا پر اپنی معاشری تنگ دستی کا ذکر کر کے اپنے وقار کو ٹھیس نہ پہنچائیں، اس کی وجہ سے کوئی مدد کے لیے ہاتھ تو نہیں بڑھائے گا؛ لیکن خود اپنی رسوائی ہوگی اور علماء کی تقدیر و منزرات عوام کے دل میں کم ہو جائے گی۔  
 (و) خاندان کے لوگ بھی اپنی صفات سے اٹھنے والے عالم دین کے ساتھ خصوصی ہمدردانہ سلوک کریں اور ان کو معاشری اعتبار سے تقویت پہنچائیں۔  
 (ز) موجودہ حالات میں مدارس کے وسائل آمدی کو متاثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، چون قربانی کی آمدی تقریباً ختم ہو گئی، مدارس کی اصل آمدی تجارتی حضرات سے ہوتی ہے، ان کا کاروبار بھی متاثر ہے اور وہ دینی کاموں کی مدد کرنے میں قانونی دشواریاں بھی محسوس کرتے ہیں؛ اس لیے اصحاب خیر کا فریضہ ہے کہ وہ پہلے اداروں کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کر لیں، اگر ممکن ہو تو خود جا کر دیکھ لیں، اور مطمئن ہونے کے بعد پھر زیادہ سے زیادہ اُن کا تعاون کریں۔

☆☆☆☆☆

کو مختلف مراحل میں تقسیم کریں اور ہر مرحلہ کے لیے الگ الگ سندر جاری کریں، جیسا کہ بعض درس گاہوں میں ہے، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ جو ہنی صلاحیت اور مالی استطاعت کے لحاظ سے فضیلت تک پڑھنے کے لائق نہیں ہوں گے، وہ نیچے کے مرحلہ کو کمل کر کے دین کی ایسی خدمت میں مصروف ہو جائیں گے، جس کے لئے ان کی پیدا استعداد کافی ہو جائے، یہ بات قبل غور ہے کہ نورانی قادرہ اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتاب پڑھانے والوں کو تفسیر و حدیث کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھنے کا ملکف کیوں بنایا جائے؟ وہ کوئی ہر سیکھ کر بے تکلف اس کو اپنی ذریعہ معاش بھی بنا سکیں گے، ایسی صورت میں ان کو اپنی نسبتاً کم تختخواہ پر قراعت کرنا آسان ہو جائے گا، اور حالانکہ پیشہ وارانہ کاموں کو انجام دینے میں کوئی بے عزمی نہیں ہے؛ لیکن رواج اور ماحول کے لحاظ سے وہ جو شرمندگی محسوس کرتے ہیں، وہ بھی نہیں ہو گی۔

۷- اب ضرورت ہے کہ مدارس میں بھی فتحی تعلیم دی جائے، دارالعلوم دیوبند میں اس کے لیے پہلے دارالصنائع قائم تھا، جس کے تحت مختلف قسم کی فتحی تعلیم فراہم کی جاتی تھی، طبیہ کا لج بھی تھا، جس سے بہت سے فضلاء نے طب یونانی کی تعلیم حاصل کی، اب نہ صرف ان شعبوں کو واپس لانے کی ضرورت ہے؛ بلکہ فتحی ماہرین کے مشورہ سے اضافہ کی ضرورت بھی ہے؛ تاکہ جب طبلہ فارغ ہوں، ان کو کہیں ایسی جگہ کام کرنے کی ضرورت پیش آئے، جہاں تختخواہ کم ہو تو ان صلاحیتوں سے کچھ زائد آمدی کا انتظام ہو سکے اور وہ استغناۓ کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔

حاصل یہ ہے کہ:

(الف) دینی مدارس ہمارے ملک میں اسلام کے بقا کا ذریعہ ہیں اور اساتذہ اس کی روح ہیں؛ اس لیے ہر قیمت پر ہمیں مدارس کو

ایک کوہبہ کر دے تو اس کی کنجائش ہے۔

۸- ان سب کے علاوہ مدارس کی انتظامی کمیٹیوں کو بھی خوشنا اور بہ شکوہ تعمیرات اور عظیم الشان جلسوں کی بھیڑ کے مقابلہ اساتذہ کی ضروریات پر زیادہ توجہ دینی چاہیے، ان کی تجوہ اپنی بڑھائی جائیں، ان کے لیے فیلمی کے ساتھ رہائش کا انتظام کیا جائے؛ تاکہ وہ کرایہ کے لوجھ سے نہ سکیں، زیادہ خرچ طلب بیماریوں میں ان کا تعاون کیا جائے، چھوٹی موٹی بیماریوں کے علاج کے لیے یا تو مدرسے میں کلینک کھوئی جائے یا کسی پرائیویٹ کلینک سے رابط رکھا جائے، جہاں سے ان کو سستی دوا فراہم ہو سکے، جہاں غذر کی وصولی طلبی کی خواہ کے بڑھ کر ہوتی ہو، وہاں رعایتی نرخ پر اساتذہ کو غفرانہم کیا جائے، اسی طرح ایسا فنڈ مقرر کرنے کی کوشش کی جائے جس سے اساتذہ چھوٹے موٹے کاروبار کے لئے قرض حاصل کر سکیں اور اس کو آسان قسطوں میں ادا کر سکیں۔

۹- مساجد کا تعلق چوں کہ براہ راست عوام میں صاحب ثروت شخصیتوں سے ہوتا ہے، اس لیے ان کو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، وہ جزوی طور پر ائمہ کو تجارت کے لیے سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں، مثلاً مسجدوں میں اکثر ملکیاتی بنا جاتی ہیں، کوشش کی جائے کہ وہاں دو ملکیات خدام مسجد کو دی جائیں، اس کی کرایہ داری ان کے نام منتقل نہ کی جائے؛ کیوں کہ آج کل مساجد کی املاک کو لوگ اپنی ملکیت سمجھنے لگتے ہیں، اگر کرایہ داری ان کے نام کر دی جائے اور خادمین مسجد وہاں سے استغناۓ دے دیں تو واپس لینا دشوار ہو جائے گا، اور جن دیگر حضرات سے یہ خدمت متعلق ہو گی پھر وہ اس سہولت سے محروم ہو جائیں گے؛ اس لیے امام و موزون کو زبانی طور پر کرایہ دار بنا دیا جائے اور ان سے رعایتی کرایہ لیا جائے۔

۱۰- مدارس کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ تعلیم

## اصلاح حال

## علم اور اخلاق

مولانا جعفر مسعود حسني ندوی

سے اپنے آپ کو مزین نہ کر لے، نہ ہی وہ آگے بڑھ سکتا ہے، نہ ہی ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ بلندی حاصل کر سکتا ہے، علم اگر اخلاق اور عزت سے خالی ہو جائے اور رب کے نام سے اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے تو ایسا علم تباہی اور گمراہی، تشدید اور دہشت گردی کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ بہت سے ممالک میں ہو رہا ہے، جو ممکن کہ ان جو ہری تھیاروں سے بالکل تباہ و بر باد ہو گئے، جن کو انسان نے صرف اپنے علم و مطالعہ اور تجربات کی روشنی میں حاصل کیا تھا، لیکن اگر یہی علم اخلاق، شرافت اور اللہ کے سامنے جوابد ہی کے احسان کے ساتھ حاصل کیا جاتا تو یہ اسلحہ اور یہ علم تخریب کاری اور بگاڑ میں استعمال نہ ہوتے اور نہ ہی ہم کو لاشوں اور جسم کے چیزوں کے اور رسول کے ذمہ نظر آتے جو اخلاق سے عاری علم کا شکار بن گئے۔

جو کچھ بے حیائی، عریانیت، فحاشی اور ہم جنس پرستی کے مناظر سامنے آرہے ہیں اور گھروں پر سایہ کی طرح منڈلارہے ہیں، انہیں تباہ و بر باد کر رہے ہیں، خاندانوں کو توڑ رہے ہیں، ان سب کے پیچھے یہی ذرائع اور یہی جدید نینکنا لو جی ہے جس پر انسان نے اپنے علم اور عقل سے قبضہ کر لیا ہے اور جس کا استعمال افواہوں اور جھوٹی خبروں کو پھیلانے میں کیا ہے، نہ کہ اچھی باتوں اور اخلاق حسنے کو پھیلانے کے لیے اور شرعی تقاضوں کو پورا کرنے اور دینی قانون کو نافذ کرنے کے لیے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ علم اور اخلاق کو جمع کیا جائے، کیونکہ اگر پرندہ ایک پر سے اڑ رے گا تو اس کا انجام سب جانتے ہیں۔

ترجمانی: محمد امین حسني ندوی



دوسرا طرف اسلام اس علم کے حصول پر زور دیتا ہے جو معرفت خداوندی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاق کا جو ہر پیدا کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ [القلم: ۳] (بیش) آپ تو اخلاق کی بلندی پر فائز ہیں) اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”کان خلقہ القرآن“ [بخاری] (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تو قرآنی ہیں)۔

علم اور اخلاق ایک ہی سکھ کے دورخ ہیں، یہ دورخ جب ملتے ہیں تو سکھ بنتا ہے، جیسے پرندے کے دو پر ہوتے ہیں، ایک پر کاٹ دیا جائے تو صرف ایک پر سے وہ فضا میں نہیں اٹسکتا ہے، بلکہ زمین پر گرپڑے گا اور کسی بیلی یا کتے کا شکار بن جائے گا، علم ایک چراغ کی طرح ہے اور اخلاق اس کی روشنی، چراغ کی قیمت اس کی روشنی سے ہوتی ہے، علم کی مثال ایک پھل دار درخت کی ہے، علم درخت ہے جبکہ اخلاق اور پھل اس کے پتے ہیں کیونکہ درخت کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ اس میں پتوں کی خوبصورتی نہ ہو اور اس کے پھلوں میں مٹھاس نہ ہو، جبکہ پتے اور درخت کے بغیر پھلوں کا کوئی وجود نہیں۔

اگر عالم اخلاق حسنے اور اوصاف حمیدہ سے متصف نہ ہو تو وہ ترقی کے راستوں کو مسدود دیکھے گا، چاہے اس کا علم بڑا وسیع ہو، جب تک وہ علم اور اخلاق ترین آدمی پر ہے)۔

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو اسلام بنی نوع انسانی کے درمیان رنگ و نسل، ذات برادری اور حسب و نسب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کرتا اور تمام انسانوں کو ایک ہی صفت میں کھڑا کرتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”یا أيها الناس إن ربكم واحد وإن أباكم واحد، لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتنقוי“ (اے انسانو! تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ ہی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے سوائے تنقی کی بنیاد پر) وہی اسلام علم کی بنیاد پر انسان انسان کے درمیان تفریق کرتا ہے:

”قُلْ هُلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَاب“ [الازم: ۹] (کہہ دیجیے کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟ صحیح تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فضل العالم على العابد كفضلي على أدناك“ [ترمذی] (عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تمہارے ادنی ترین آدمی پر ہے)۔

خیر امت

## اُمّت کے تحفظ و بقا کا راز

### مولانا بلال عبدالحی جس ندوی

اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایک کر کے ایسا برا بیاس عام کی جائیں کہ آہستہ ان کا اسلامی شخص تخلیل ہو کر رہ جائے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے اندر اس کا احساس بھی ختم ہو جائے۔ یہ ایک نسیانی چیز ہے کہ آدمی جس ماحول

میں رہتا ہے اس کا عادی بن جاتا ہے، گندے ماحول میں رہنے والے گندگی کو محسوس نہیں کر پاتے، جو لوگ تاریکی میں رہتے ہیں ان کو تاریکی کی شدت کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ روشنی سے تاریکی میں جاتے ہیں وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھاسکتے، بھی حال ان مذکرات کا ہے جو معاشرہ ذریعہ عالمی ماحول کو کرپٹ (Corrupt) کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور اس کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں، دین کے دشمنوں کا نشانہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر حاذ سے ایسا کرپٹ کر دیا جائے کہ وہ پوری طرح کھو کھلے ہو کر رہ جائیں اور پھر ان میں کسی مقاومت کی استطاعت بھی باقی نہ رہے، اس خطرناک سازش سے مقابلہ کا بڑا ہتھیار یہ دعوت ہے، اس کی بیداری پیدا ہو جائے تو مسلمانوں کو کوئی بھی لقمہ ترینہ بن سکتا۔

مذکرات کے سیالاں پر بھلاکیوں کا جو باندھ باندھا گیا تھا اس میں جگہ جگہ سوراخ کر دیے گئے ہیں، مسلمانوں کا لقب ”خیرامت“ ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان منافذ کو بند کرنے کی کوشش کریں، ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ کہیں پوری انسانیت مذکرات کے اس سیالاں کی نذر نہ ہو جائے اور پھر اس کے بعد سنجا نا مشکل ہو۔

☆☆☆☆☆

دعوت اپنوں میں ہو یا غیروں میں یہ ایک اہم ترین دینی فریضہ ہے، امت کے تحفظ و بقا کا راز بھی اسی میں مضر ہے، بقاء عالم کی موجودہ کوششوں میں یہ فکر بھی پیش کی جاتی ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر عمل کرے کوئی کسی کونہ روکے نہ ٹوکے، تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکے، اسلام میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں، ہو سکتا ہے کہ کسی ضروری مصلحت کی خاطر کسی علاقے میں محدود وقت کے لیے اس پر عمل کر لیا جائے لیکن اسلامی مزان سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بھلانی کی تلقین کرنا، اس کا ماحول بنانا، اس کو عام کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے فرائض منصبی میں داخل ہے، برائی کو برائی سمجھنا، اس کو برائہ کہنا، ماحول کو اس سے پاک کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ موجودہ مسلم معاشروں میں یہ خرابی بڑھتی چلی جا رہی ہے کہ برا بیسوں کو دیکھ کر دنیں کا انتہا، اس کا احساس ختم ہوتا چلا جا رہا ہے، وہ معاشرہ کسی مسلمان ملک کا ہو یا دوسرے ملک کی مسلم آبادیوں کا، کوئی برائی داخل ہوتی ہے پھر بڑھتے بڑھتے وہ سب کو اپنے پیٹ میں لے لیتی ہے، ظاہری طور پر دین دار لوگ اس میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی مرحلہ میں اس کے سد باب کی کوشش نہیں کی جاتی، یہ ایک ایسا خطرناک سلسلہ ہے جو ارتدا دنک پہنچا سکتا ہے اور اس دور میں اسلام دشمن طاقتوں نے یہی حرba کی لٹک کے یہکے سے کم نہیں۔

## استقبال ماہ رمضان

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

ہر آن بہت زیادہ سرکشی اور نافرمانی پر اکساتا ہے، نفس امارہ کی ترکیب بتاتی ہے کہ نفس کا سرکش گھوڑا تنایپر زور اور اس قدر بے مہار ہے کہ اس پر قابو پاننا کوئی آسان کام نہیں، یہ ہر دن اور ہر لحظہ اور ہر آن برائی کی دعوت دیتا ہے اور انسان کو سیدھے راستے سے ہٹانا اور طراط مستقیم سے بہکانا چاہتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے اس نفس امارہ کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا ہے:

بڑے موزی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا  
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا  
یہ نفس امارہ ہی ہے جو قدم قدم پر دعوت گناہ  
دیتا ہے، اور یہ نفس امارہ ہے جس کی وجہ سے دنیا  
ظلوم و سفا کی اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنتی ہے، یہ نفس  
amarہ ہے جس کی وجہ سے قتل و غارت گری کا بازار  
گرم ہوتا ہے، یہ نفس امارہ ہے جس کی وجہ سے  
اتحاودا و خوت کا رشتہ ٹوٹتا ہے اور خاندانوں میں اور  
مختلف شعبہ ہائے حیات میں کشاکش اور کشکش  
اور دشمنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ نفس امارہ  
پر قابو پانے کے لیے اور اسے نفس مطمئنہ سے بدل  
دینے کے لیے ترکیب نفس واحد ریعہ ہے۔ قرآن  
میں ہے: ”وَهُوَخُصُّ كَمِيَابٌ هُوَجَسْ نَنْ أَپْنَى  
نَفْسَ كَأَتْرَكِيهَ كَيَا۔“ [سورۃ الاعلیٰ] اور سورہ  
النازعات میں ہے: ”مَنْ حَافَ مَقَامَ رَبِّهِ  
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهُوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ  
الْمَأْوَى“ یعنی جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے  
کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے  
روکتا رہا تو اس کا مٹھکانہ جنت ہے۔

اچھا انسان بننے کے لیے تہا علم کافی نہیں، علم  
کے ساتھ جب نفس کا ترکیب بھی ہو تو اس سے ایک  
اچھا انسان وجود میں آتا ہے، اور اچھے انسانوں

نیکیوں اور عبادتوں کے پھول اور پھل سے ایک مرد مومن اپنا دامن مراد بھر لیتا ہے۔ رمضان کا مہینہ اتنا فیضی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان سے بہت پہلے دعائماٹکا کرتے تھے اللہم بلغنا رمضان یعنی اے اللہ! ہمیں رمضان کے مہینہ تک پہنچا دے، یعنی ہمیں رمضان کی نعمتوں اور دلوں اور بہاروں سے محروم نہ رکھ۔ رمضان اور روزہ کی اہمیت کو اچھی طرح پہلے سے سمجھنے اور دل میں اتنا نے کی ضرورت ہے جتنا زیادہ ہم رمضان اور روزہ کی اہمیت کو سمجھیں گے اتنا ہی رمضان کا، بہتر استقبال کر سکیں گے۔ روزہ تعداد میں شہتوں کے کچے ہرے ہرے چھوٹے چھوٹے پھل لگ گئے، اب دو ہفتے میں یہ پھل پک جائیں گے، لال لال عنابی قرمزی رنگ کے خوشنا، ذائقہ دار، میٹھے شیریں پھل، ان سے لذت کام وہن ہی، سخت کے لیے دوا بھی، جس طرح سے شہتوں کا درخت میٹھے ذائقہ دار پھل دینے سے پہلے کم و بیش ایک مہینہ کا وقت تیاری میں گزارتا ہے، اسی طرح سے ایک مرد مومن رمضان کی بہار سے پورے طور پر مستفید اور متعتم ہونے کے لیے شعبان کا مہینہ رمضان کی تیاری میں گزارتا ہے، شعبان کے مہینے میں رمضان کی کلیاں ہکلتی ہیں، نیکیوں کے برگ و بار لگتے ہیں، عبادت کے غنچے جلوہ پیرا ہوتے ہیں، یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے اور مرد مومن

تبصرہ کرے گا اور نہ کسی تبصرے میں شریک ہو گا۔ جو شخص اس مہینہ میں غیبت سے بچنے کی پوری کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ دوسرا مہینوں میں بھی اسے اس گناہ سے بچنے کی توفیق بخشنے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی اس دعا پر آمین کہا تھا: ”اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں رمضان آئے لیکن اس کی قدر نہ کرے اور بخشش کا مستحق نہ بن جائے۔“

☆☆☆☆☆

حاصل ہوتی ہے، اور انسان کو وہ ایمان نصیب ہوتا ہے جو دشمنوں کے مقابلے میں انسان کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ سورہ بقرہ میں روزہ کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے: ”مُوْمِنُاً تِمْ پَرْ رُوْزَهَ فِرْضَ كَيْ گَنَهُ هُنَّ، جَسْ طَرَحَ تَمَّ سَهْ پَهْلَيْ لَوْگُونَ پَرْ فِرْضَ كَيْ گَنَهُ تَهْتَهْ تَكَهْ تَهْمَارَے اندر تَقْوَىٰ كَيْ صَفَتَ پَيْدَا ہُوَ۔“ روزہ میں غلط بات کہنے اور غیبت کرنے سے بچنے کی مشق کرنا چاہیے، اس بات کی شوری کوشش کرنا چاہیے کہ کسی شخص کے بارے میں وہ خود نہ تو کوئی منفی

کے مجموعے سے مثالی معاشرہ وجود پذیر ہوتا ہے۔ تذکرہ نفس سے مراد یہ ہے کہ اپنی عادتوں کو، مزانج کو اور سوچنے کے انداز کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے، اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے اللہ نے جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ عادتوں اور اذکار کا طریقہ ہے۔

عبادتیں کئی طرح کی ہیں، ان میں ایک بہت بڑی عبادت روزہ کی عبادت ہے، جس طرح پانچ مرتبہ انسان خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور جبین نیاز خم کرتا ہے اور اپنے مالک کی ہدایت کے آگے سراط اعات جھکانے کا عہد کرتا ہے، اسی طرح انسان روزہ کی عبادت کے ذریعہ اطاعت و انتیاد کی زبردست ٹریننگ حاصل کرتا ہے، یہ شخصیت کی تعمیر اور اخلاقی تربیت کا بے مثال پروگرام اور نفس امارہ کو نکست دینے اور نفس مطمئنہ تک پہنچنے کا بے نظیر لائچ عمل ہے، یہ نفس کو شرعی ضوابط کی پابندی کا خوگر بناتا ہے، انسان بھوک سے نٹھال ہوتا ہے، اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہر طرح کا رزق موجود ہوتا ہے، نفس اسے بہکاتا بھی ہے کہ اپنی پیاس اور بھوک مثالاً، مگر روزہ نفس کے اس حکم کو ٹھکراتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اللہ نے تمہیں کھانے اور پینے کی اجازت نہیں دی ہے اور تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں کہ پانی پی کر اپنی تشکلی مثالاً۔ گویا روزہ سے ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے، گویا روزہ انسان کو پیغام دیتا ہے کہ جب تم روزہ کی حالت میں اللہ کی اطاعت کرتے ہو تو تمہیں غیر روزہ کی حالت میں بھی اپنے دامن کو محصیت سے آلوہ نہیں کرنا چاہیے۔ روزہ سے صبر و برداشت کی ٹریننگ

## مال حلال اور مال حرام

مولانا سید محمد حمزہ حنفی ندوی

مال خدا کا ایک عظیم عطیہ اور وہ ایک ایسی بیٹھ بہانگت ہے جس سے دنیا و آخرت کے بے شمار کام ہوتے ہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر یہ ہے کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے اور صحیح طریقہ سے کیا جائے، یہ ہے اس کی صحیح تدریجی قیمت۔ مال کے کمانے اور خرچ میں بے اختیالی، مال کی بڑی بے قدری اور خدا کی نعمت کی بڑی ناشکری ہے، جو لوگ غلط طریقوں سے مال حاصل کرتے ہیں یا حرام طریقہ سے روپیہ کماتے ہیں وہ خدا کے ناشکرگزار اور خدا بیزار بندے ہوتے ہیں اور پھر ایسے مال کا نتیجہ بھی اکثر خراب ہوتا ہے، مال جس طرح آتا ہے اسی طرح چلا جاتا ہے، مثل مشہور ہے: ”مال حرام بود بجائے حرام رفت“، ان کی روزی میں کوئی برکت نہیں ہوتی بلکہ ایسا مال بعض دفعہ وبال جان بن جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان مردو گورت کماتے وقت اور خرچ کرتے وقت اس کو ضرور سوچ لے کہ یہ مال کس طریقہ سے آرہا ہے اور کس راستے سے جارہا ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ ناجائز طریقے کیا ہیں؟ مثال کے طور پر یوں بحث کے چوری کا مال، غصب کا مال، رشتہ کا مال، سودی مال، جھوٹ بول کریا ملاوٹ کر کے یا ناپ توں میں کی کر کے کمایا ہو مال، مستحقین کے نام سے زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ، چرم قربانی وغیرہ کی رقم حاصل کر کے اپنے تصرف میں لانا جعلی یا فقیر بن کر جاہلوں اور سادہ لوحوں کو لوٹنا، ان کے عقائد اور ایمان بر باد کرنا، جھوٹی گواہی دے کر یاد لا کر روپے وصول کرنا، دھوکہ اور فریب دے کر ہتھیا یا ہوا مال ناجائز اور حرام ہے۔ ایسے مال میں، ایسی تجارت میں، ایسی جاندید میں نہ کوئی برکت ہوتی ہے نہ خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے، یہ مال ایک چھاؤں ہے، ابھی آیا بھی گیا۔ اس دنیا میں چاہے یہ ساتھ دے جائے لیکن آخرت میں وبال جان بن کر رہتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی مثالیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں کہ اس طرح کے مالدار لوگ دنیا میں بھی خراب نتیجہ رکھتے ہیں۔

☆☆☆

رباط ادب اسلامی شاخ بہار کی جانب سے  
پٹنس میں مورخہ ۱۹ فروری ۲۰۲۳ء کو منعقدہ سینار میں پیش کی گئی تحریر

## مولانا عبد اللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ

### سفرنامہ حیات کے سایہ میں

#### محمد عمر الصدیق دریابادی ندوی

مولانا کی کس تحریر کی بازخوانی کی جائے اور کس کتاب کے سایہ میں خیالات کو مجتھ کیا جائے۔ کتابوں کی پسند میں دیکھا جائے تو طبیعت خود فیصلہ کر دیتی ہے کہ دل کس صحبت میں زیادہ لگتا ہے، عموماً ہم جیسے حروف والفاظ سے معمولی شدید رکھنے والوں کو زیادہ راحت اور فرحت ادب کی وصفوں میں ملتی ہے، ایک تو مکتوبات، دوسرے سرگذشت، اس میں خود نوشت، تذکرہ اور سوانح سب شامل ہیں، خدا جانے کتنوں کی آپ بیتیاں یا حالات پڑھنے کے بعد، ان اہل قلم کی تمام پیش قیمت تصنیفات کی موجودگی کے باوجود زبان پر وہی جملہ آجاتا ہے جو ہمارے ایک نہایت پاکیزہ ذوق کے حامل جناب ہلال احمد قادری کی زبان پر آگیا تھا کہ اگر یہ آپ بیتی نہ لکھی جاتی تو تاریخ کا ایک تیتی حصہ ضائع ہو جاتا۔

بس یہی جذبہ تھا جس نے نگاہوں کا مرکز اس کتاب کو بنادیا جو مولانا عبد اللہ عباس صاحب کا سفرنامہ حیات ہے۔ زندگی کیا ہے اور اس کا سفر کیا ہے، شاید انسان کے وجود اول سے ایسے سوالات پہلیاں بنتے رہے، جس کے شور نے بھی کروٹ لی، اس کے سامنے بس یہی سوال آیا کہ آخر یہ زندگی ہے کیا، اس کی کامیابی، ناکامی، اس کا درد، اس کی مسرت، آخر ان سب کی تعبیر کیسے کی جائے۔ شاید قیامت تک زندگی کے فلسفہ کو سمجھنے کی کوششیں ہوتی رہیں گی، پھر بھی کوئی ایک یقینی اور متفقہ جملہ تشنہ ہی رہے گا۔ زندگی کے نشیب و فراز، زمانے کے انقلابات اور ہر پل تغیرات کے تماشے جو داستان سنا جاتے ہیں، اس سے زیادہ پرتاشیر کہانیاں اور کیا ہو سکتی ہیں۔

مولانا ندوی کا سفرنامہ حیات بھی بس ایسی

زبان ہو شمند اور فکر ارجمند سے آمیز ہوتی ہے تو ایک دلاؤزیر ادب کا دیدار ہو جاتا ہے۔ مولانا ندوی کے حسن زبان اور رعنائی بیان کی گواہی جس طرح متفقہ اللسان دی گئی وہ خود مولانا ندوی کے کمال کا بڑا خوبصورت عنوان ہے۔

ہم نے بطور طالب علم بہت پہلے مولانا کی تحریروں کو اپنی لگا ہوں کا ضروری حصہ بنارکھا تھا، ہم لطف ولذت کی چاہت میں مولانا کے مضامین پر جان دیتے تھے، بلیکہ اس اور اس کے کہ مولانا کے ادبی ذوق میں ساری رنگ آفرینی، ساری کشش اور ساری جاذبیت قرآن مجید کی بلا غلط سے استفادہ کا شمرہ ہے، بقول مولانا سید محمد راجح ندوی، ادب اور قرآنی بلا غلت دونوں نے جس ذوق کی آبیاری کی اسی نے مولانا عبد اللہ عباس کی تحریروں کو دوستہ کر دیا۔

مولانا کی کتابوں اور ان کے مقالات و مضامین کے مجموعوں کو زندہ اور تازہ رکھنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ یہ دراصل ادب اسلامی یا ادب عالیہ سے ہم کنار کرنے اور اس کے حسن و فادیت اور خیر سے سرشار کرنے کی نعمت سے ڈھنن اور قلب کو روشن اور پاک بنانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی ہر کتاب کا تقاضا ہے کہ اس کو حرز جاں بنایا جائے۔

میرے لیے یہ مشکل البتہ بڑی بن گئی کہ پرداز نے مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے ایک مجموعہ مضامین کے تعارف میں لکھا کہ ادب کی چاشنی، فکر سلیم کی روشنی، علم و تحقیق کی سمجھی گی جب

خاندان والوں کی تعلیم و تربیت کے انتظامات کو شاہانہ کر دیتے ہیں اور پھر اپنا دین دیکھتا، لیکن جب وقت آیا تو فخریہ کہہ دیا کہ میری تعلیم تو صرف میرے والد مرحوم کی رہیں منت ہے، کیا دور رہا ہو گا جب بڑے بھائی شاہ نعمت امام نے لکھنؤ سے باپ کو لکھا کہ پیسے خرچ کرنے کا تجربہ مجھے اچھا نہیں لگتا، افلاس و قناعت کا وہی تجربہ اچھا جو مجھے آپ سے ملا ہے۔

آپ بیتی وہی اچھی جو جگ بیتی بن جائے اور بے شمار انسانوں کی اپنی کہانی بن جائے، بچپن کے طلن کی خوبیوں کا فوری مہک سے بھی نہیں چاہتی، مولانا نے بچپن کے چھلواری کی جو تصویر چھپی اس میں خدا جانے یادوں کے کتنے رنگ اور کتنی آڑی ترچھی لکیریں زندگی کے ہاتھ کی لکیریوں کی طرح کبھی نہ مٹئے والی بن گئیں، چھلواری شریف کے میلے یاد آنے لگے، مزاروں پر جو کچھ ہوتا، اس سے کیا بحث، لکھ دیا کہ جائز و ناجائز، مستحب و مکروہ سب اپنی جگہ، میرے علم و فہم میں مکروہ باطل یا کفر و شرک کی کوئی بات نہیں، اور جو قابل اعتراض بات ہے وہ قابل توجیہ و تاویل بھی ہے، یہ جملے کوئی ندوی قلم ہی اپنی زبان پر لاسکتا ہے، بہت ہونی چاہیے یہ کہنے کی کہ جب عمر گرنے لگی تو صوفیانہ مزاج اور خاندانی طور طریقے ابھرنے لگے اور جو تھا ناخوب وہی خوب نظر آنے لگا، مرحلے آنے لگے تو لکھنؤ پہنچ، تمناعادی گھر کے تھے، مشورہ دیا کہ ندوہ جانے کی کوشش کرو دہاں کچھ عقل کھلے گی اور درس نظامی کے بہ نسبت اللہ رسول کی بات سے زیادہ مناسبت ہو گی ورنہ ملا جلال اور میرزا ہدکو پڑھ کر کیا کر لو گے۔

مولانا کی اردو کی داد بڑے بڑوں نے دی،

اسی سے کی، مگر کس طرح؟ چون کا دیایہ لکھ کہ کہ میرا نسب نامہ کیا ہے، میرے آباء و اجداد کیا تھے، اس کا بیان نہ تو قبل فخر ہے اور نہ موجب بخشاش، لیکن آدمی تو آدمی ہی ہے، جانوروں کے بارے میں بھی اس کی نسل کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ آگے جواز میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک تحریر کو پیش کر دیتے ہیں اور پھر نسب سے واقفیت میں بس دھیرے سے کہہ جاتے ہیں کہ آنے والی نسلوں کو شاید اس سے اتنا تنہبہ ہو سکے وہ بھی یہ سوچیں کہ: وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے ایک اٹا ہوا تارا لکھا کہ ہمارے خاندان کے بزرگ خود کو سید نہیں لکھتے، کیوں کہ نسب باپ سے ہوتا ہے اور ہم لوگ جعفر بن ابوطالبؑ کی اولاد سے ہیں، علیؑ کی اولاد نہیں، مگر یہ کنارہ کشی ان کے نزدیک کیا تھی: نسبت غلامی کرد و بجه خسر و بلند چھلواری شریف وطن تھا لیکن ناہماں سہار، یاد رہا کہ ناتانے و بیان تاریخی نام امین الیارات رکھا تھا۔ گھر کا کیا حال تھا، بس مقدور علیهم، ظاہری مال و سامان آسانش کی کمی کا گلہ نہیں، لیکن قناعت و خودداری پر شکر ضرور جاری رہا، پیغمبرانہ دون گزر جاتے، ساتھیوں کو بھٹک بھی نہیں لگتی کہ اس بچہ کا دن کیسا گزرا، اور کون دیکھتا اور خشک چہروں اور سوکھی آنکھوں کے پردے میں جھانک کر اقتضادی حالت کا اندازہ لگاتا، اب یہ کہنا کیا ہر کسی کے بس کی بات ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا، فقر تھا، افلاس تھا لیکن عبد اللہ کے والد جناب عباس کی عالمانہ شان ہر جگہ قائم رہی، یہ کچھ کم نعمت تھی، مولانا عبد اللہ عباس ندوی ذاکر، پروفیسر، مصنف، مدیر کوتو سب جانتے ہیں لیکن اس بچ کو کون یاد رکھتا جو اپنے عزیزوں اور

ہی ایک کہانی ہے، سچی، فطری، زین کی مٹی سے لگی ہوئی، جہاں کہانی سنانے والے کی نظر پیکراں فضاوں میں جیسے گم ہوتی نظر آتی ہے، ایک خود کلامی کا ماحول، جہاں بے نفسی کا رنگ ہو اور جہاں اس احساس کا گزر ہی نہ ہو کہ سنانے والے کا بیان، حسن طبیعت کا مظہر نہیں۔ جہاں قصہ سنانے والا یہ سمجھتا ہو کہ یہ تو قصہ رسائی ہے، داستان ضرور ہے لیکن ناہموار، اس کو ہموار کیسے کیا جائے، زندگی تو قصہ گو کی نظر میں رائیگاں ہے تو کس کو اور کیوں سنایا جائے، پہلے ہی قدم پر اعتراف کہ ہم کہاں کے دانا، کس ہنر میں کیتا، زندگی اگر الجھے فقرنوں، ٹیڑھی سطروں کا عکس ہے تو خامہ پر بھی رعشہ ہی نمایاں ہو گا، زندگی کیا ہے؟ جانے والوں کی یادوں، بھولے بسرے قصور اور ہر دم روایا دنیا کی بدلتی رہتی تصویریں کو کوئی بیان بھی کر سکتا ہے یا پھر زندگی کا سفر صرف اتنا یاد دلاتا ہے کہ عمر کا حاصل کیا ان تین باتوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہے، کہ پہلے کچھ تھا، پھر پاک ہوا اور آخر میں بھگ گیا: خام بدم، پختہ شدم، سوخت۔

بہت کم آپ بیتی سنانے والوں نے اعتراف کیا ہو گا کہ پختہ شدم کا زمانہ کب آیا اور کیوں کر آیا، آیا بھی کہ نہیں! یہ احساس بھی کیا کچھ کہہ جاتا ہے کہ دنیاوی زندگی ایک سفر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، کسی کی عمر کی طرح رائیگاں ہو یا کسی اللہ والے کی زندگی کی طرح کامران ہو، حکم ہر ایک کو بھی ملا کہ: کن فی الدنیا کانک غریب۔

عموماً آپ بیتیوں میں نسب کے بیان کا اہتمام ہوتا ہے، کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ معزز اور صاحب نسب لوگوں ہی کو آپ بیتی سنانے کا حق ہے، ہمارے مولانا ندوی نے بھی آپ بیتی کی ابتدا

آپ بیتی کی بات آئی تو ڈاکٹر ندوی کے یہ الفاظ کسی بھی آپ بیتی کی ضرورت کی اصل وجہ ظاہر کرتے ہیں کہ سوائخ کا مقصد یہ نہیں کہ آپ بیتی سنانے والا یہ بتائے کہ وہ کہاں پیدا ہوا، کہاں پڑھا، کیا عہدے حاصل کیے اور زندگی جو ناکامی سے شروع ہوئی، کس طرح کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہوئی؟ سوائخ کا ہم جز یہ بھی ہے کہ ڈینی پروش کس حال میں ہوئی، مقامی اور بین الاقوامی حالات کیا تھے، خوف و رجاء کے کون گوشوں سے اس کا سابقہ پڑا، اس طرح ایک شخص جس قدر بھی معمولی ہواں کی سوائخ سے عالمی تاریخ کے تانے بنے جوڑے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر ندوی نے علماء کے نام پر مادی فوائد کے حصول میں حد سے گزرنے والوں کو قریب سے دیکھا، سعودی عرب میں تو خوب دیکھا تو انہوں نے محسوس کیا کہ:

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتے بھی نہیں  
مگر اندر ہیرے اجائے میں چوکتے بھی نہیں  
اور یہ کہ مادی منافع کے استھان میں کیا  
حقیقی، کیا شافعی اور کیا اہل حدیث اور اہل قرآن،  
کسی کو بلند نہیں پایا، جن کو پایا ان کے نام گناہتے  
ہوئے اس ذہنیت کی جانب اشارہ بھی یہ کہہ کر  
کر دیا کہ لوگ شاید اس کو تعصب سے تغیر کریں  
لیکن ان کی باتوں کو غور سے سنتے ہوئے شاید ہی  
کوئی منصف مراجح ان کے اعتراض کو کسی بھی  
شے سے ملوث دیکھے، ان کو اپنی بشریت کی  
حقیقت کا علم رہا، بڑی صاف گئی سے ظاہر کر دیا  
کہ انسان کے نفس کی سچائی کیا ہے، حرص و طمع کا  
پیٹ تو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، ایک  
خواہش پوری نہیں ہوتی کہ دوسرا تازہ دم خواہش

رحمت کی پھوار پڑے، یہیں پر مولانا علی میاں کے سلسلہ میں ایک جملہ ایسا آیا کہ شاید ہی کسی کے ذہن کی رسائی وہاں تک ہوئی ہو، لکھا کہ مولانا علی میاں طلبہ اور اساتذہ میں محبوب تھے، محترم المقام تھے اور اس میں اس بات کو قطعاً خل نہیں تھا کہ وہ ڈاکٹر سید عبدالعلیٰ ناظم ندوہ العلماء کے بھائی تھے، کیوں کہ ندوہ جوبلی اور مولانا محمد علی کو ناراض کر چکا تھا، اس کا با غایہ مراج، حاکم و حکوم کے رشتہ کو نہیں مانتا تھا اور نہ اس کی پرواہ تھی، یہ بات اس لیے لکھ دی کہ بعض معاذین کے ذہن میں حضرت مولانا علی میاں کی کامیابی کا سبب یہ بھی تھا۔

ڈاکٹر عبدالعلیٰ کے ذکر میں ان کے صاحبزادے مولانا محمد میاں کی بات آئی کہ ان کی تعلیم کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب نے کسی پرحتی کر ان کے عم گرائی مولانا علی میاں پر بھی نہیں ڈالی بلکہ خود پڑھایا، ان کی تعلیم کو مولانا عبد اللہ عباس نے کرامت سے تغیر کیا، یہ طرز تعلیم کیا تھا؟ مولانا ندوی اس کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے، لکھا کہ اس طریقہ پر پڑھا سکتا ہوں مگر محمد میاں جیسا شاگرد کہاں ملے گا جس کی فطرت پاک ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب سیم لے کر آیا ہو، بات صرف فن کی ہوتی تو تجربہ کر کے دکھادیتا مگر یہ سی طرح بتاؤں کہ:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی ندوہ میں جو کچھ ڈاکٹر ندوی کو ملا اس کو انکسار کے ساتھ یاد کیا کہ تعلم کے زمانہ میں کچھ استعداد نہیں پیدا ہوئی، ہاں ادب و تفسیر کی چند لکھریں نو شنہ تقدیر بن گئی تھیں، پھر جو لکھا وہ ہے جو حکوم جانے کے لائق کہ ”آگے احساس کمرتی جس کا نتیجہ اٹھمار برتری ہوتا ہے اور خود فرمی جس کو لوگ خودداری سے تغیر کرتے ہیں، میر امتاع ہزرتھا“۔

خدودہ مولانا دریابادی کے اثرات کا ہمیشہ ذکر کرتے رہے لیکن معاملہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے لکھنؤ کے محلہ نکسال میں تین سال گزارے، زبان نکسالی کیوں نہ ہوتی۔

ندوہ میں داخلہ سے پہلے یہ غیری انتظامات بھی کیا چیز ہیں۔ ندوہ کا ذکر آیا تو پھر ایک تیر کیا خدا جانے کتنے تیروں کی بات آگئی، دوستوں کی یادوں نے عمر رفتہ کو آواز دی تو اساتذہ یاد آنے لگے، جمعیۃ الاصلاح کی تربیت سازی کی بات آئی، مولانا قدوالیٰ کی ہدایتوں کے ساتھ مولانا علی میاں کی وہ ادا یاد آئی کہ انہوں نے ہر درجہ کے لیے قبل مطالعہ کتابوں کی فہرست بنائی تھی، فہرست کے ساتھ یہ ذہن بھی بنایا تھا کہ سب کچھ پڑھو، نخش بھی پڑھو مگر اپنے ڈینی معیار کے مطابق پڑھو کہ سمجھ سکو کہ زہر اور قندیل میں کیا فرق ہے۔ کوئی کیا جانے کہ ندوہ کیا سکھلاتا ہے، علامہ شبیلی کی الفاروق پڑھی جس کے بعد یہ تاثر پیدا ہوا کہ اس کتاب نے وہ کام کیا جو مناظرہ کی چند در چند کتابیں نہیں کر سکتی تھیں، موازنہ انیں ودپیر نے بلاغت کا مفہوم سمجھایا، غرض جمعیۃ الاصلاح کی تربیت سازی کا ایسا نقشہ ہمارے مولانا نے کھنچ دیا کہ اس سچائی سے شاید ہی کوئی الاصلاح کے فوائد و نقصانات کو اب بیان کر سکے، کیسی الاصلاح تھی جہاں ایک سے ایک نامور شاعر آتے اور اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ جاتے، الاصلاح سے ذرا فرصت ملی تو پھر اساتذہ اور ان کے طریق درس پر باتیں آنے لگیں، ڈاکٹر عبدالعلیٰ کا ذکر آیا تو یہ جملہ ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے کہ ان کے قلب کی مٹی جس نرم اور بار آور دبتستان نبوت سے دیعت ہوئی تھی اس پر حضرت دہلوی (مولانا الیاس) کا رنگ ایسا تھا جیسے نرم اور زرخیز مٹی پر ابر

پر ثبت ہو گئیں، اس کے لیے وقت چاہیے۔ زندگی کی شام ہوئی تو بس ان کا یہی جملہ خدا جانے کیا کیا کہہ گیا کہ دنیا بھر کی خاک چھانے اور ملک ملک کی سیاحت کے بعد اپنے پیروں میں چھپے ہوئے کائنے نکال رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے انتخُبُتی کر رہے ہیں، بقول ان کے یہ زمانہ ان کے لیے سخت آزمائش کا تھا، گھر یلو معاملات نے لو ہے کے پنے چوائے، حقیقت کے کام کے لیے جو سکون مطلوب ہوتا ہے وہ بالکل میرنہیں، بلکہ اس کے الارض وَمَنْ عَلَيْهَا وَالْيَنَا يُرْجَعُونَ۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی آپ بیتی کیا ہے؟ یہ مسلسل دریافت کے عمل کا مقاضی سوال ہے، لیکن آخر میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اس آپ بیتی نے بتایا کہ فقر کی آخری منزل فخر ہے، وہ کون سا فقر ہے جو اسکندری سے بہتر ہو جاتا ہے، جو مشرق و مغرب کے علوم کے حصول کے بعد بھی روح میں سمائے ہوئے درود کرب کو دور نہیں کرتا، کبھی فقر و فخر کو ایک ہی جملے میں دیکھا تھا، اس آپ بیتی کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دونوں کا رشتہ کیا ہے اور ان کی معنویت کیا ہے؟ الفخری کو سمجھنے کے لیے آپ بیتی کو خود بیت بنانے کی ضرورت ہے۔

ہم نے شروع میں اپنی پسند کی بات کرتے ہوئے تذکرہ و سوانح کے ساتھ مکتبات کا ذکر کیا تھا کہ انسان کو اس کے اصل خط و خال کے ساتھ دیکھنا ہو تو اس کے خی خخطوط سے ملاقات ضروری ہے، ڈاکٹرندوی کے خطوط تو ہم نے ایک جگہ جمع نہیں دیکھے لیکن الجیب، چھواری کے اس شمارہ میں مولانا ڈاکٹرندوی کی یاد میں شائع ہوا تھا، اس میں چند مکاتیب ہیں، ان میں مولانا کیسے نظر آئے وہ دیکھنے کی چیز ہے، فرصت ملی تو ان کا بھی ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆☆☆

”پانے“ کے چکر میں سب کچھ کھو بیٹھے۔ صرف یہی جملہ ان کی آپ بیتی کے مقام بلند کے تعین کے لیے کافی ہے، ذرا اور آگے دیکھیے زندگی کی سچائی کیا کھلا جاتی ہے، ڈاکٹرندوی لیڈس میں پی انتخُبُتی کر رہے ہیں، بقول ان کے یہ زمانہ ان کے لیے سخت آزمائش کا تھا، گھر یلو معاملات نے لو ہے کے پنے چوائے، حقیقت کے کام کے لیے جو سکون مطلوب ہوتا ہے وہ بالکل میرنہیں، بلکہ اس کے

برخلاف جان، مال، عزت، آب و سب داؤں پر چڑھے ہوئے، حضرت علی میان نے ابھاں والضرع کی ڈرکھانی تھی، وہی سب سے بڑا سہارا اور وقت تھی، یہ لکھنے کے بعد یہ جملے کا شکوئی دل کی آنکھوں سے پڑھ سکے کہ لیڈس میں اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوئی کہ ایسے لوگوں کی صحبت ملی جو اصحاب جبهہ و ستارتو نہیں تھے مگر ان کے قلوب میں وہی روشنی تھی جو اہل اللہ کی پیچان ہے۔ بعضوں کو انگلینڈ یا یورپ میں صرف فداش و مکرات ہی نظر آتے ہیں لیکن خرایوں میں خوبی دیکھنا اور بات ہے، ڈاکٹرندوی نے لکھا کہ سب سے بڑی بات جو مجھے اپنی نسل کو دکھانا ہے وہ انگریزوں کی محنت اور کام کے وقت کام کی دھن ہے، ان کے اندر کام چوری بالکل نہیں دیکھی۔

باقی ان پر کیا گزری اور جو گزری، اس کو اپنے شروع کے حوالے کس طرح کیا، اس کے لیے تو سفر نامہ کو سینے اور آنکھوں سے لگانا ہی ہوگا۔

پھر زندگی خدا جانے کیسے کیسے موڑوں پر لاتی رہی، یورپ، عرب، لیڈس یونیورسٹی، ام القری یونیورسٹی، رابط عالم اسلامی، ندوہ کی معتمدی، دلی کی صحافت، سنگاپور و جاپان کی سیاحت، بہت سی باتیں ہیں جو کتاب کے صفحات پر مولانا نے نقش کر دیں اور پھر یہ کتاب اور کیسے پڑھنے والے کے دل کی دنیا

سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی، مگر یہ ناجیز ایک ناجیز بندہ ہی تو ہے، کوئی قطب وابدال تو نہیں کہ حقیقت کو عملی طور پر سمجھ کر دل و دماغ پر قابو رکھتا اور توکل علی کی سنت پر قائم رہتا۔

علی میان، مولانا مودودی اور پھر والد سب کی یادیں عمرفتہ کو آواز دیتی ہیں اور ایسے میں یاد آتا ہے کہ آنکھوں درجہ میں تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، تعلیم کا سلسہ ایک لمحہ کے لیے تمہارا گیا، وطن واپس آ کر نوکری کرنی پڑی لیکن ندوہ کی کشش نے پھر زور کیا، تعلیم کے ساتھ روزگار کا ستم جاری رہا، رحیم آباد میں امامت اور اتنا لیقی صرف بیس سال کی عمر میں کی، یہ دیکھ کر مولانا ناظم ندوی نے کہہ دیا کہ کچا انگور کشمش بنا دیا گیا، پست میثت، زندگی کے ضائع جانے کا احساس دلائے تو غلط کیا، آپ بیتی کے سچ کا تقاضا اور کیا ہے۔

بہت سے آپ بیتیوں میں لوگوں نے اپنی کمزوریوں کو چھپایا نہیں مگر جس طرح مولانا نے بیان کیا اس کی مثال بھی مانا مشکل ہے، لکھا کہ: ایک ہندی نژاد ہندی طور طریقے پر پورش پایا ہوا، غربت و افلاس کے ماحول سے نکلا ہوا زہر و قناعت میں اپنے آبا اجداد کی سنت پر کب تک قائم رہتا، مل من مزید کی جتنجہ، خوب سے خوب تر کی طلب کبھی کم نہ ہوئی، یہ علت میرے بھائیوں میں تھی، انہی بھائیوں کی بھی خوبی مولانا کی اس آپ بیتی کا سب سے بڑا انتیاز بن گئی۔ دوسروں کو اپنے ساتھ زندگی کے سفر کی سچائیوں سے آشنا کرتے ہوئے وہ اس طلب میں بھی اپنے قاری سے آمین ہی نہیں کھلواتے خود کو اس دعا کی لذت سے سرشار کر جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: اگر اللہ مر نے سے پہلے اپنی طلب کو سب سے بڑی طلب بنادے تو اس کا کرم ہے ورنہ ہم اس

رسید کتب

# تعارف و تبصرہ



## محمد اصفاء الحسن کا نذر حلوی ندوی

**نام کتاب: صدائے دل**

**تالیف: عبدالغفار گرامی**

**مرتب: ڈاکٹر نذریا حمد ندوی**

**مولانا سید عبدالغفار گرامی ندوی رحمۃ اللہ علیہ**

**لکھنؤ کے معروف مشہور قصبہ نگرام میں ایک ذی وقار**

**سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان**

**کے جد امجد حضرت مولانا سید امین الدین احمد ایک**

**نابغہ روزگار خصیت تھے، جنہوں نے حضرت سید احمد**

**شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔**

**یہ خاندان اپنے علمی و ادبی انتیاز کے ساتھ سماجی اور**

**دعویٰ خدمات کے لیے بھی جانا جاتا رہا ہے۔**

**مولانا گرامی کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی**

**کہ ندوہ آنے سے قبل مفسر قرآن مولانا امین**

**احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی اتالیقی ان کو نصیب**

**ہوئی، ندوہ آئے تو مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید**

**ابوالحسن علی حسني ندوی نور اللہ مرقدہ کے رفقاء درس**

**میں رہے، اور عصری رفاقت میں سابقِ مہتمم دار**

**العلوم ندوۃ العلماء مولانا حب اللہ لاری، سابق**

**معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا عبد السلام قدواںی اور**

**مولانا سید ابو بکر حسني کے شریک رہے۔**

**مولانا نے ۲۸ رسالہ مدرسی خدمات انجام**

**دیں، جن میں تقریباً ۱۸ رسالہ مدارالعلوم ندوۃ**

**العلماء میں استادر ہے، بالخصوص قواعد صرف و نحو**

**اور عربی زبان کی تعلیم کے آپ ماہر سمجھے جاتے**

**ایک شعروار:** کیا سحر تھا جلوہ میں، اٹھتے ہی نقاب ان کی

**مجھ سوختہ سماں پر طاری ہوئی بے ہوشی**

**”مہمات الصرف والخوا“ نامی کتاب میں پیش کیا۔**

کچھ صنعتیں لفظی و معنوی ملاحظہ ہوں:  
ع آپ کا دربار جب کہ واقعی دُربار ہے  
اور:

ع شباب ناز ہی ناز شباب ہے پھر بھی  
ش میں ان کے حسن کے پردے اٹھاتا جاتا ہوں  
وہ میری آنکھوں پر پردے گرائے جاتے ہیں  
حاواروں سے بھی لطف انداز ہوں:  
ع محبت کی حقیقت کیا؟ بس اتنی! فقط اتنی  
ع اب کبھی آپ سے صاحب نہ سلامت ہو گی  
۲۱۶ رصفات پر مشتمل ”صدائے دل“ زیادہ  
تر مختلف معابر مجلسوں اور خاص کر طرح مشاعروں  
میں پڑھے گئے کلام سے عبارت ہے، جو لکھنؤ  
یونیورسٹی، ندوۃ العلماء، سرائے میر، نگرام اور دہلی  
کے مشاعروں میں سمع نواز ہوا۔  
اشاعت ”مکتبہ ضیاء البدر“، کلی کامپلیکس،  
درج اخراج لکھنؤ سے ہوئی ہے۔

**نام کتاب: مجالس معرفت (جلد ہفت)**  
یہ ڈاکٹر سید محمد قادری مظلہ (خلیفہ وجہ حضرت  
مولانا قمر الزماں الآبادی دامت برکاتہم) کی مجالس  
کے افادات کا سلسلہ ہے، جو موضوعاتی ترتیب کے  
ساتھ اساتوں جلد تک ہو چکا ہے۔ ہمارے  
ہاتھوں میں موجود یہ ساتوں جلد میں مجالس کے  
افادات پر مشتمل ہے، اور موضوع کے اعتبار سے اس  
میں قرآن کریم کی ان آیات مبارکہ کو لیا گیا ہے، جو  
کسی نہ کسی خصوصیت کی حامل ہیں، جیسے: قرآن  
کریم کی سب سے عظیم آیت، قرآن کی سب سے  
بڑی آیت، ایسی آیت جس میں چار بار حدود اللہ کا  
لفظ آیا ہو، یا پھر ایسی آیت جس میں کوئی خاص تعلیم  
بیان کی گئی ہو، جیسے: آیتِ استرجاع، یا وہ آیت  
جس میں مشورہ کی اہمیت ذکر کی گئی ہے یا جس میں  
غیبت کی شاعت، بیان کی گئی ہے، علی ہذا القیاس۔

اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان اسیاں کی تعداد ۳۰ ہے، اور کل ۳۳۲ رخصیات کے احوال و کوائف اور کارنا مذکور کیے گئے ہیں، ہر سبق کے آخر میں اہم مصادر کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی سبق کے حوالہ سے طلبہ کو مودودہ نہ نشین کرنے کے لیے پچھتری میں مشقیں بھی دی گئی ہیں۔ اس طرح یہ تاریخ تو یہ کی ایک انوکھی اور عمده مثال بن گئی ہے، جو یقیناً نسل نو کے مفہومیات ہو گئی۔

نائزہ دہائیت چیرٹیبل، احمد آباد ہے۔ رابطہ ۹۰۱۶۳۱۲۲۵

☆☆☆☆☆

نفسیاتی وقت، شافتی ترقی کے تسلسل اور تہذیبی شاخت کی بقا کے لیے از حد ضروری بھی ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر منفی امتیاز صاحب مرحوم (مہتمم مدرسہ دارالقرآن، احمد آباد) کی خواہش کی تکمیل میں پروفیسر محبوب عباسی اور محمد سعد پشتی صاحبان نے طلبہ اور عوام میں گجرات کی علمی تاریخ سے آگئی پیدا کرنے کے لیے ”تذکرہ علمائے گجرات“ کے نام سے موسم عام کتابی سائز کے ایک سو اٹھائیں صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ترتیب دیا، جس میں تاریخ کے مختلف زبانوں میں درج پر اگندہ مواد کو اسیاں کی شکل میں سادہ اور سہل اسلوب میں

ڈاکٹر صاحب گرچہ ماہر طب ہیں؛ لیکن جب وہ ان آیات پر گفتگو کرتے ہیں تو ایسی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جن کے نام سے واقفیت یا استفادہ کی توفیق عام طور پر طلبہ مدارس کو بھی نہیں ہوتی۔ ان آیات کی تفسیر میں انہوں نے یہ منج اختیار کیا ہے کہ ترجیح اور مفہوم بیان کرنے کے بعد حدیث کی روشنی میں اس کی تفسیر یا توضیح کرتے ہیں، اور جہاں ضرورت ہو وہاں لغت اور قواعد کے پہلو سے بھی کلام کرتے ہیں، اور آیت کے ذریعہ وہ جس بات کی ترغیب دینا چاہتے ہیں اس کے لیے استدلال کرنے میں ان کا انداز کلام کی عالم یا مفسر سے کم نہیں معلوم ہوتا۔ امید ہے اہل طریقت گذشتہ جلدیوں کی طرح اس کو بھی پاٹھوں پاٹھیں گے، اور استفادہ کریں گے۔

رابطہ کے لیے: ۷۰۱۳۲۹۱۰۳

### نام کتاب: تذکرہ علمائے گجرات

مرتبین: پروفیسر محبوب حسین عباسی، محمد سعد پشتی  
گجرات کی سر زمین جو آج بالعموم تجارت کے پیشہ کے لیے معروف ہے، کسی زمانہ میں علوم و فنون شرعیہ کے لیے زرخیزی رکھتی تھی۔ محققین کی رائے میں اسلام کے ابتدائی دور ہی سے صحابہ و تابعین کی آمد کے ساتھ وہاں علوم شریعت کی داغ بیل ڈل چکی تھی، اور دہلی وہندہ کے دیگر علاقوں کی علمی و تعلیمی تحریکیوں سے قبل گجرات علم حدیث کا میمون اور علوم و فنون کا شیراز بن چکا تھا۔  
گجرات کی علمی تاریخ پر چیدہ گنجیدہ گنجیدہ زبانوں میں اہل تحقیق نے تحریر کیا ہے، جو تاریخ کے مختلف مراحل میں منتشر اور پھرا ہوا ہے، اور عام طالب علم تو کجا، اہل علم و انس کو اس سے بخوبی واقفیت دشوار ہے۔ دوسرا طرف کسی بھی قوم اور علاقہ کے لوگوں کا اس کی علمی و شافتی تاریخ سے آگاہ رہنا، اس کی

### Declaration Of Ownership & Other Details

#### Form-4 Rule-8

Name Of Paper: Tameer-e-Hayat

Place Of Publication: Lucknow

Periodicity Of Publication : Fortnightly

Cheif Editor: Shamsul Haque Nadwi

Nationality: Indian

Address: Campus Darul Uloom  
Nadwatul Ulama, Tagore  
Marg, Lucknow U.P. INDIA

Printer & Publisher : Mohammad Taha Athar

Nationality: Indian

Address: 21, Adnan Palli, Near Hira  
Public School Ring Road,  
Dubagga Kakori, Lucknow.

I Mohammad Taha Athar Printer, Publisher  
Declare That The above information Is correct To the  
best of knowledge and belief.

Mohammad Taha Athar

## فقہ و فتاویٰ

# سوال و جواب



## مفتی محمد ظفر عالم ندوی

**سوال:** روزہ کی حالت میں تو تھوڑی پیسٹ استعمال کرنا کیسے ہے؟ کیا روزہ پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟  
**جواب:** بغیر عذر کے تو تھوڑی پیسٹ استعمال کرنے سے روزہ مکروہ ہو گا، فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ بلا عذر مکروہ ہے اور بوقت عذر مکروہ نہیں ہے تاہم روزہ فاسد نہیں ہو گا۔

[ابحر الرائق: ج ۲/ ص ۲۷۹]

**سوال:** روزہ کی حالت میں ڈاکٹر کے ذریعہ دانت نکلوانا درست ہے یا نہیں؟ حلق کے اندر خون جانے کا انداز پیشہ رہتا ہے، کیا اس کی اجازت ہوگی؟

**جواب:** اگر دانت نکلوانے کی سخت ضرورت ہے تو رمضان ہی میں بحالت روزہ دانت نکلوانا درست ہے، اگر سخت ضرورت نہ ہو تو مکروہ ہے، اگر دوایا خون پیٹ کے اندر چلا جائے یا خون، تھوک پر غالب آجائے یا اس کے برابر ہو یا اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

[ردمختار: ج ۲/ ص ۷۰]

**سوال:** اگر دوران غسل میں کان میں پانی چلا جائے یا کان میں دوا ڈالی جائے تو کیا روزہ پر اثر ہو گا؟

**جواب:** کان میں پانی چلا جائے یا ضرورتہ دوا ڈالی جائے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

[فتاویٰ غیاثیہ: ص ۵۳]

**سوال:** دمہ کے مریض اگر روزہ کی حالت میں انہیل استعمال کرتے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

**جواب:** انہیل کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ منہ کے پاس اس کو لے جا کر پکاری کی جاتی ہے جس سے دھوئیں کی طرح خشک پاؤ ڈر لکتا ہے اور اسے مریض ناک کے ذریعہ اور پر کی طرف کھینچتا ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

[ردمختار: ج ۲/ ص ۳۹۵]

☆☆☆☆☆

**جواب:** جب طلوع فجر ہو چکا تو اس کے بعد سحری کھائی تو روزہ درست نہیں ہو گا، اور رمضان کے بعد قضا لازم ہے، البتہ دن کا باقی حصہ عام روزہ داروں کی طرح بغیر کھائے پئے، اور بغیر ازدواجی تعلق قائم کیے گذارنا ہو گا۔

[بدائع الصنائع: ج ۲/ ص ۱۰۳-۱۰۰]

**سوال:** کیا روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ استعمال کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس کا ذائقہ اور اثر حلق میں محسوس ہو رہا ہو؟

**جواب:** روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک نقل کرتی ہیں: "اکتحل و هو صائم"۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگایا اس حال میں کہ آپ روزہ سے تنے)۔

[صحیح بخاری: ج ۱/ ص ۱۲۱]

**سوال:** اگر آنکھ میں تکلیف ہو تو کیا روزہ کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈال سکتے ہیں؟ کیونکہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے حلق میں اس کا اثر محسوس ہونے لگتا ہے، کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

**جواب:** آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نہ روزہ ٹوٹے گا اور نہ مکروہ ہو گا کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان فطری راستے نہیں ہیں، حلق میں دوا کے ذائقہ کا احساس دراصل مسامات کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو روزہ کے لیے مصنوعی ہے۔

[بدائع الصنائع: ج ۲/ ص ۱۰۶]

**سوال:** رمضان المبارک کے روزہ کی نیت کیا رات ہی میں کہنا ضروری ہے یا دن میں کر سکتے ہیں؟

**جواب:** رمضان کے روزہ کی نیت رات سے لے کر زوال سے پہلے تک کرنا درست ہے؟ البتہ صحیح طلوع ہونے سے پہلے رات ہی میں یا ٹھیک طلوع صحیح صادق کے وقت کرنا افضل ہے۔

[بدائع الصنائع: ج ۲/ ص ۸۵، ۸۲]

**سوال:** کیا روزہ کی نیت کے لیے الفاظ زبان سے کہنا ضروری ہے یا دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے؟

**جواب:** روزہ کی نیت صحیح ہونے کے لیے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ ارادہ کر لینا کافی ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ محض سحری کھالیتا روزہ کی نیت کے لیے کافی ہے: "والتسحر فی رمضان نیۃ" (رمضان میں سحری کھانا نیت ہے)۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج ۱/ ص ۱۰۰]

**سوال:** کیا سحری کھانا ضروری ہے، اگر کوئی سحری نہ کھائے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

**جواب:** سحری کھانا مستقل عبادت ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تسحروا فان فی السحر برکة" (سحری کھایا کرو، اس میں برکت ہے)۔

[بخاری: ج ۱/ ص ۲۵]

بغیر سحری کھائے اگر روزہ رکھا جائے تو روزہ ہو جائے گا لیکن سحری کھانے کے ثواب سے محروم ہو گی۔

**سوال:** اگر کسی نے لا علی میں ایسے وقت میں سحری کھائی جبکہ فجر کا وقت ہو چکا تو کیا یہ روزہ ہو جائے گا؟

# اہل خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے جن اساتذہ و محققین کو جس شہر یا علاقہ میں بھیجا جا رہا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے، اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

(مولانا) فخر الحسن خان ندوی

ناظر شعبہ تعمیر و ترقی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	موبائل نمبر	عہدہ	ملاطفہ
۱	قاری فضل الرحمن صاحب ندوی	9919490477	استاذ شعبہ حفظ	ممبئی
۲	حافظ عبدالواسع صاحب	9307884504	استاذ شعبہ حفظ	مالی گاؤں، بھیوٹھی، ممبئی
۳	مولانا عبدالوکیل صاحب ندوی	9889840219	کارکن شعبہ اصلاح معاشرہ	ممبئی
۴	مولانا محمد اسماعیل صاحب ندوی	8604346170	استاذ مجدد (مہبت منو)	ممبئی
۵	مولانا عبداللہ صاحب ندوی	7499569301	محرر فرقہ اہتمام	ممبئی، نیو ممبئی
۶	مولانا محمد اسلم صاحب مظاہری	9935219730	استاذ دارالعلوم	مدرس، وجہ و اڑہ
۷	مولانا فیض احمد صاحب باندوی ندوی	7505873005	استاذ مجدد دارالعلوم (سکروری)	پٹن، پان پورا اطراف
۸	مولانا شیم احمد صاحب ندوی	9935997860	استاذ دارالعلوم	حیدر آباد، نظام آباد، نادریہ
۹	مولانا نیم احمد صاحب ندوی	9450573107	استاذ دارالعلوم	بھنگل، شوگر، ٹکور، منگلی، مرڈیشور
۱۰	مولانا رشید احمد صاحب ندوی	7795864313	استاذ دارالعلوم	بنگلور و میسور
۱۱	مولانا مفتی محمد مستقیم صاحب ندوی	7355595278	استاذ مجدد دارالعلوم (سکروری)	آسنسنول، گلستان
۱۲	مولانا مفتی ساجد علی صاحب ندوی	9889096140	استاذ دارالعلوم	دہلی
۱۳	مولانا محمد اکرم صاحب	8960204060	معاون علمی دارالعقلاء	دہلی، پانی پت، پنجاب، آکولہ، جلگاہوں، بلڈنگ
۱۴	مولانا محمد شعیب صاحب ندوی	9839810206	محصل شعبہ	محصل شعبہ
۱۵	مولانا مسعود احمد صاحب ندوی	9918128885	محصل شعبہ	حیدر آباد
۱۶	مولانا قلی احمد صاحب ندوی	6394260480	محصل شعبہ	کانپور
۱۷	مولانا محمد احمد صاحب ندوی	9795715987	استاذ مجدد دارالعلوم (سکروری)	اللہ آباد
۱۸	مولانا جمال احمد صاحب ندوی	9305418153	محرر مجدد دارالعلوم (سکروری)	ستبل جل و اطراف
۱۹	مولانا جمال احمد صاحب ندوی	9616514320	استاذ دارالعلوم	حیدر گلہ، مغل سرائے، سلطان پور و اطراف
	مولانا محمد شیم صاحب ندوی	9450784350	کارکن شعبہ دعوت و ارشاد	کانپور، سندھیہ، غوث لخج
	مولانا محمد شیم صاحب ندوی	9670049411	استاذ مجدد (مہبت منو)	

۲۰	مولانا شیر الدین صاحب	9889438910	استاذ مکتب	لکھنؤ (شہر)
۲۱	مولانا محمد اسیاز صاحب ندوی	9984070892	استاذ مہد (مہمت منو)	لکھنؤ (شہر)
۲۲	مولانا محمد اسلم ندوی	9956223293	استاذ مہد دارالعلوم (سکروری)	پٹن واطراف گجرات
۲۳	حافظ سعید احمد صاحب	9839588696	استاذ مکتب	لکھنؤ (شہر)
۲۴	مولانا عبد الرحمٰن صاحب ندوی	9450970865	استاذ دارالعلوم	رامپور، امرودہ، مراد آباد
۲۵	مولانا عبداللہ مسعود ندوی	9936866057	محرم مہد (مہمت منو)	ہمت گنرو اطراف گجرات
۲۶	قاری ماجد علی صاحب ندوی	9935626993 9044088886	محصل شعبہ	سیتاپور، انور، اجمن، بھوپال
۲۷	مولانا ساجد علی صاحب ندوی	8400015009 9696954194	محصل شعبہ	گوا، کرناٹک کے اضلاع، آمبو، غازی آباد
۲۸	مولانا علیم اللہ صاحب ندوی	9721413704	محصل شعبہ	بستی، ممبئی
۲۹	مولانا محمد رضوان صاحب قاسی	7250655682	محصل شعبہ	احمد آباد، نوساری، دھولیہ، واپی و دیگر اضلاع گجرات
۳۰	حافظ امین اصغر صاحب	8439165413	محصل شعبہ	علی گڑھ، آگرہ، فیروز آباد، سہارپور، بلندشہر، سکندر آباد
۳۱	مولانا علیم الدین صاحب ندوی	8853258362	محصل شعبہ	کھنڈو، اطراف رتنا گیری، ستارا، پونہ، کولہا پور، سورت
۳۲	مولانا محمد مسلم صاحب مظاہری	8960513186	محصل شعبہ	اورنگ آباد، جالانہ، پونہ، احمد گنر، بیارس، مظفر گر، میر گڑھ، بخوار، نجیب آباد
۳۳	مولانا محمد عقیل صاحب ندوی	9389868121	استاذ مکتب شہر	سیوان، چماران، در بھنگ، سمٹی پور، مظفر پور، بھاگلپور، پٹنہ وغیرہ
۳۴	مولانا عبدالرحیم صاحب ندوی	7388509803	محصل شعبہ	ناؤپور، بارہ بکنی، جھانسی، اعظم گڑھ، متواتر اف
۳۵	مولانا ابوالحیات صاحب ندوی	9795891123	استاذ مکتب شہر	پٹنہ واطراف
۳۶	مولانا اسرار الحسن صاحب ندوی	9919203409	استاذ مکتب شہر	لکھنؤ (شہر)
۳۷	مولانا محمد شرف الدین صاحب ندوی	9936740835	محصل شعبہ	کانپور

## ACCOUNTS NO. NADWATUL ULAMA

ZAKAT	:	10863759766
ATIA	:	10863759711
BUILDING	:	10863759733
IFSC CODE	:	SBIN0000125
PHONE	:	0522-2741231

STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

نوفٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن ۸۰ اکم ٹکس ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت اکم ٹکس سے مستثنی ہو گا۔

**NADWATUL-ULAMA**  
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW  
226007 U.P. (INDIA)



**ندوۃ العلماء**  
پوسٹ بکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ  
۲۲۶۰۰۷ یو پی (ہند)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

Date 10th March 2023

تاریخ ۱۰ مارچ ۲۰۲۳ء

## اپیل برلے تعمیر اسٹاف کوارٹر س

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوہ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ندوہ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوہ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوہ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹر س اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹر س کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹر س تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر رہی مزید کوارٹر س کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۹ فلیٹی کوارٹر س ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ/- 1,15,00,000 (ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوہ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہاں کام تکمیل کو پہنچ گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولاناڈاکٹر) تقي الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلام صدیقی
(مولاناڈاکٹر) سعید الرحمن عظیمی ندوی	(مولانا) سید بلاں عبدالحی حسنی ندوی
معتمد عالم ندوہ العلماء	معتمد عالم ندوہ العلماء
ناظر عالم ندوہ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوہ العلماء

نوت: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

**NADWATUL ULAMA**

اور اس پتہ پر اسال کریں

**NIZAMAT NADWATUL ULAMA**

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,  
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیات کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کارروائی میں سہولت ہو گی۔

فجز اکم اللہ خیرالجزاء

website : [www.nadwa.in](http://www.nadwa.in)  
Email : [nizamat@nadwa.in](mailto:nizamat@nadwa.in)

**NADWATUL ULAMA**

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW  
(IFSC CODE : SBIN0000125)

**تعمیرات**

**A/c. No. 1086 3759 733**

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>

نوت: ندوہ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن G080 نکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت اکم نکس سے مشتمل ہو گا